© rasailojaraid.com

ترک کرنے کی ایک ناکام کوشش کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''ایام جوانی میں میں نے بھی ایک بار تین ماہ تمبا کو نوشی کو ترک کیا تھا۔ سچ کہتا ہوں، زندگی سونی اور ویران ہوگئی تھی۔ پھر ایک دفتری کولیگ فرانس میں تکنیکی تربیت لے کر لوٹے۔ ان کے پاس فرانسیسی سگریٹوں کا پیکٹ تھا۔ حالانکہ میری اپنی رائے میں میری ول پاور کافی مضبوط ہے، مجھ سے رہا نہ گیا۔ سوچا، ایک سگریٹ پھونکنے سے کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک فرانسیسی سگریٹ سلگایا، پھر دوسرا، اس کے بعد لیڈی نکوٹین نے اس طور اپنے دام میں لے لیا کہ سگریٹ نوشی سے کنارہ کرنے کی کوشش ہی ترک کر دی......'' (۱۷)

خالد اختر ایک کم گو اور کم آمیز انسان تھے۔ گفتار کے غازی نہیں تھے۔ اعتماد کی کمی تھی اور محفل میں جم کر گفتگو کرنا، ان کے لیے مشکل تھا۔ انہیں خود بھی اس بات کا احساس تھا کہ وہ گفتگو کے ماہر نہیں ہیں، چنانچہ ہمیں ان کی ''تحریر'' میں ان کی ''تقریر'' کے بارے میں بہت سے ذاتی تاثرات پڑھنے کو ملتے ہیں، مثلاً:

۱۔ میں ایک عورت کی طرح شرمیلا ہوں اور عام گپ بازی میں میں بالکل نہیں چمک سکتا۔ اس افسوس ناک کمی نے میرے ذہن کو خواہ مخواہ گھٹا ہوا اور بوجھل بنا دیا ہے۔ (۱۸)

۲۔ عرصہ ہوا گفتگو کا تحفہ قدرت نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ کچھ بے آسودگی، کچھ خوف محسوس کرتا ہوں۔ شرمیلے پن اور ڈر کی ایک موٹی آہنی دیوار ہمارے درمیان ہمیشہ حائل رہتی ہے ___ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک بڑے شہر میں جہاں میں تنہا ٹھہرا ہوا تھا، میں نے پورا ایک ہفتہ کسی سے بات تک نہ کی تھی اور ڈرتے ہوئے کہ کہیں مجھ سے طاقت گویائی تو نہیں چھن گئی اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے میں اس بڑے شہر کی ایک تنہا جگہ پر گیا اور وہاں ریت پر لیٹ کر سامنے لڑھکتے ہوئے نیلے سمندر سے ایک گھنٹہ باتیں کرتا رہا۔ (۱۹)

۳۔ میں نے جو، بچی تلی گفتگو کرنے میں بالکل پھسڈی ہوں اور آلیور گولڈ اسمتھ کی طرح بے چارے پول (ایک طوطا) جیسی اکھڑی اکھڑی بے تکلف باتیں کرتا ہوں، ضیا (دوست) کی اس صفت پر ہمیشہ رشک کیا ہے۔ ایک مغرب فلاسفر کے مطابق ہم دنیا میں رہنے والے انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ بولنے والے اور خاموش۔ میں خاموش انسانوں کے طبقے میں شامل ہوں جو اپنے ہم جنسوں سے کٹ کر تنہا رہتے ہیں اور جن کی قسمت میں اپنے ہی ذہن کی دیواروں میں قید رہنا بھی ہے۔ (۲۰)

آلیور گولڈ اسمتھ کے پال (طوطے) کی مثال انہوں نے اور بھی کئی جگہوں پر دی ہے۔

دراصل خالد ایک خود احساس (Self Conscious) شخص تھے اور محفل میں لوگوں کو اپنی جانب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متوجہ دیکھ کر ان پر گھبراہٹ اور ''شرماہٹ'' طاری ہو جاتی تھی۔ وہ ''خوفِ منبر'' (Stage fright) کا بھی شکار تھے اور ان کے لیے مجمعے کے سامنے تقریر کرنا بہت ہی دشوار تھا۔ وہ خود کو اس معاملے میں ''مرید پور کا پیر'' قرار دیتے تھے۔

منصور خالد نے اپنے والد کی کم نامی کا بڑا سبب کم زبانی کو گردانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ والد چونکہ ایک شرمیلے انسان تھے اور سٹیج پر جا کر بولنا ان کے لیے بہت مشکل تھا، اس لیے وہ خود کو ادبی منظر پر Present نہیں کر سکے۔ (۲۱) انتظار حسین نے اس حوالے سے اپنا تجربہ بیان کیا ہے:

> ''میں نے سوچا کہ جو ادیب آج کے فاؤنٹین پن کے زمانے میں بھی ریلیف نب کے ساتھ ہولڈر سے لکھتا ہے، اس سے ضرور ملاقات کرنی چاہیے اور اس کا تذکرہ قلم بلند کرنا چاہیے مگر جب میں نے ان سے ملاقات کی اور انہیں اپنی نیت بتائی تو وہ بالکل بدک گئے۔ معذرت کی کہ وہ بہت پبلسٹی شائی (Publicity Shy) ہیں۔ انہیں بالکل پسند نہیں کہ ان کا نام اخبار میں آئے، ریڈیو پر نشر ہو یا وہ ادبی رسالہ میں شائع ہو۔'' (۲۲)

خالد زندگی میں شہرت سے گریزاں رہے لیکن موت کے بعد شہرت نے ان سے گریز نہیں کیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خوش نامی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

خالد خاصے بدخط تھے اور ان کے لکھے کو پڑھنا آسان کام نہ تھا۔ جوانی میں ان کی لکھائی قدرے بہتر تھی لیکن بعد میں معاملہ روبہ زوال ہوتا گیا اور وہ ''خطِ موسا'' رقم کرنے لگے۔ انہیں مکتوب نگاری سے خاص رغبت تھی۔ زندگی میں انہوں نے ہزاروں خط تحریر کیے ہونگے۔ خالد کے احباب سے ان کے بیسیوں خطوط دستیاب ہوئے ہیں اور ان میں کئی ایسے ہیں جن کا عدسے کی مدد کے بغیر مطالعہ نہیں کیا جا سکتا۔ مکاتیب ہوں یا دیگر ادبی تحریریں، وہ عام طور پر ڈائری کے اوراق پر خامہ فرسائی کرتے تھے۔ ڈائریوں کے اوراق پر اکثر تنگ لکیریں کشیدہ ہوتیں، جس کی وجہ سے لفظوں کی قد و قامت مختصر ہو جاتی یا پھر لفظ ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے۔ وہ ایک عرصے تک ہولڈر اور ریلیف نب کے ساتھ پرورشِ لوح و قلم کرتے رہے لیکن بعد میں جو قلم میسر آتا، اس سے خامہ فرسائی کرتے تھے۔ احمد ندیم قاسمی نے ریلیف نب اور ان کے طرزِ تحریر کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

> ''___ شاید پانچویں یا چھٹی جماعت میں خالد کے استاد نے اسے مشورہ دیا تھا کہ صرف ریلیف کی نب کے ساتھ اردو لکھنے سے خط اچھا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے دس برس کی عمر سے ریلیف نب سے لکھنا شروع کیا تو اب تک اس نب سے چمٹا ہوا ہے۔ اس نب نے اس کا خط ایسا بگاڑا ہے کہ صرف ہم چند دوست جنہوں نے اس کے خط کو برسوں بھگتا ہے، اس کی تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ اس پر ستم یہ کہ اس استقامت میں بھی اس کا لاابالیانہ پن در آتا ہے۔ روانی میں لکھ رہا ہے تو حروف کے نقطوں کو نظر انداز کرتا جا رہا ہے مگر مثال کے طور پر وہ لفظ ''ان'' لکھ کر سوچنے کے لیے رکا ہے تو اس کا قلم نہیں رکتا اور اس کی ریلیف نب ''ان'' کے نون کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیٹ میں پندرہ بیس نقطوں کا انبار لگا دیتی ہے۔آپ چاہیں تو ان نقطوں کو ان حروف پر تقسیم کر سکتے ہیں جو نقطوں سے محروم رہ گئے تھے۔"(۲۳)

اردو کے مقابلے میں خالد کی انگریزی کی لکھائی صاف اور بہتر تھی۔

خالد اختر، ملازمت کو ایک قید تصور کرتے تھے اور ملازمت کا تمام عرصہ انہوں نے بے دلی اور بے چینی کے عالم میں گزارا تھا۔ان کے مزاج میں آزادہ روی تھی اور ملازمت کی پابندیوں پر کار بند رہنا ان کے لیے آسان نہ تھا۔یہی وجہ تھی کہ انہوں نے نوکری سے تین چار بار استعفیٰ دینے کی کوشش بھی کی۔وہ کچھ زیادہ کامیاب افسر نہیں تھے لیکن سید محمد کاظم نے انہیں ایک کامیاب افسر کہا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے:

"اس نے واپڈا میں ایسے دفتری عہدوں پر کام کیا جہاں کوئی بڑی ذمہ داری نہیں تھی اور کام کچھ اس قسم کا تھا کہ لاہور کے مرکزی بڑے سٹور میں آئے ہوئے مال کو حسب ضرورت چھوٹے علاقائی سٹوروں میں بھجوانا اور اس کا حساب کتاب رکھنا،اس لیے اس میں خالد نے اچھا کام کیا اور چھوٹے سٹوروں میں اشیاء(Material) کی کمی پیدا نہ ہونے دی۔"(۲۴)

محمد کاظم کے مطابق اپنے ماتحتوں سے خالد کا رویہ ہمیشہ ہمدردی اور خیر خواہی کا رہا۔ان کی نرم طبیعت اور انسان دوستی کی وجہ سے ان کے دفتر کے لوگ انہیں اپنا باپ اور بزرگ سمجھتے تھے اور بھاگ بھاگ ان کا کام کرتے تھے۔(۲۵)

انسان خطا کا پتلا ہے اور خوبی کا پیکر بھی۔ہر شخص میں تناسب کے فرق کے ساتھ چھوٹی بڑی خامیاں اور اچھی بری عادتیں ہوتی ہیں۔خالد اختر بھی نہ تو مکمل طور پر مرقع خوبی تھے اور نہ مجسم خطا۔ان کی شخصیت میں ہر طرح کے رنگ ڈھنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔سید محمد کاظم نے ان کے "نیک و بد" کو یوں سمجھا اور سمجھایا ہے:

"اچھی عادتیں: کتابوں سے عشق، لکھنے پڑھنے کا شوق،نمود و نمائش سے حتی الوسع اجتناب، دوستوں کی آؤ بھگت اور حسب استطاعت ان کی خاطر تواضع کرنا۔اچھے اور اونچے درجے کے ریستورانوں میں چائے پینے کا شوق (چائے پینے کے لیے اسے پاک ٹی ہاؤس اور اس کا ماحول بالکل پسند نہیں تھا۔)نوآموز ادیبوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور کوشش کر کے ان کی چیزیں "فنون" میں چھپوانا۔

بری عادتیں: اپنے کپڑوں کی طرف سے بے پروائی، بغیر استری کیے کوٹ پتلون پہن لینا، میلا رہنا، دانتوں کی صفائی ٹھیک سے نہ کر سکنا، باوجود روزانہ برش کرنے کے دانتوں پر میل جما رہنا۔گھر میں اپنے رہنے کے کمرے میں جھاڑ پونچھ کا انتظام نہ کرنا اور نہ خود کبھی اپنی میز اور کتابوں کی جھاڑ پونچھ کرنا۔کتابوں اور ڈائریوں پر مٹی کی تہیں جمنے دینا۔چائے پینا اور اس کے ساتھ تقریباً ایک پیکٹ روزانہ سگریٹ پینا۔کھانسی ہو یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زکام ہو، سگریٹ کبھی نہ چھوڑنا۔ اچھی اور صحت بخش غذا مثلاً دودھ، مکھن، اور پھل وغیرہ سے خاص رغبت نہ رکھنا (پھلوں میں خالد کو صرف پپیتا پسند تھا، جو وہ عموماً ناشتے میں کھاتا اور اس سے اس کی قبض کچھ ٹھیک رہتی) ادھار لے کر بھول جانا، اس معاملے میں جو دوست اسے یاد دہانی کرانا پسند نہ کرتے، وہ نقصان میں رہتے۔''(۲۶)

محمد کاظم مزید بتاتے ہیں:

''خوش لباس بالکل نہیں تھے۔ اکثر ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا ایک سوٹ ڈرائی کلین ہو کے آیا تو وہ ویسے ہی پہن کے آ گئے، اس کے ساتھ ڈرائی کلینز کی جو کپڑے کے نمبر والی چٹ لگی ہوئی تھی، وہ اسی طرح پیچھے لٹک رہی تھی۔ ہمیں اس کا پتا چل گیا تو ہم نے بڑی مشکل سے وہ کاٹ کر اتاری ___ وہ چائے پینے یا کھانا کھانے کے لیے تو بہت صاف ستھرا اور اعلیٰ درجے کا ریستوران چاہتے تھے اور ہمیشہ انڈس یا شیزان میں جاتے تھے لیکن اپنی باقی زندگی میں وہ صفائی کی طرف سے نہایت بے پروا تھے۔ ان کی کار (Hillman Imp) کے اندروں اور ڈگی کی حالت کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یہاں رات کو مرغیاں چھوڑ دی جاتی ہیں۔ ساری جگہ ناصاف ہوتی اور بدبو دیتی تھی۔''(۲۷)

خالد اپنے بارے میں بتاتے ہیں وہ مسواک یا برش کی بجائے لسٹرین سے کلی کر لیتے ہیں اور مہینے میں ایک آدھ بار ہی نہاتے ہیں۔ وہ نہانے کو ایک 'بورنگ' رسم خیال کرتے تھے۔(۲۸)

عبدالباسط اختر نے بھی اپنے بھائی کی شخصیت کی چند چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیان کیا ہے:

''خالد حساس تھے۔ کبھی کبھی غصہ بھی کرتے تھے۔ تھوڑے سے ضدی بھی تھے، اڑ جاتے تھے۔ منافقت سے چڑ تھی۔ تصنع اور بناوٹ کو ناپسند کرتے تھے۔ Status کی باتوں سے نفرت تھی۔ ایماندار تھے۔ جھوٹ بول سکتے تھے اور نہ باتوں کو چھپا سکتے تھے۔ ہر قسم کے لوگوں سے دوستی تھی۔ غریبوں کے ہمدرد تھے۔ ایک مرتبہ گاؤں کے میراثی کو اپنے سارے کپڑے دے دیئے ___''(۲۹)

منصور خالد اپنے والد کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انہیں پیسے کی تو کبھی تمنا ہی نہیں تھی بلکہ زیادہ پیسے کو وہ شاید برا ہی سمجھتے ہوں گے۔ ریٹائر ہوئے تو گاڑی مستری کو دے کر لاہور سے بہاول پور آ گئے۔ دوحہ میں ڈیڑھ لاکھ کی انعامی رقم ملی تو سب خوش تھے لیکن انہوں نے شاید واپسی میں جہاز میں جو چاکلیٹ ملا، وہ زیادہ انجوائے (enjoy) کیا۔(۳۰)

محمد خالد اختر نے ایک سادہ اور عام زندگی بسر کی۔ ایک عام انسان میں ہر طرح کے اچھے برے رویے پائے جاتے ہیں اور وہ چھوٹی بڑی خوبیوں اور خامیوں کا پیکر ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں خالد اختر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام انسان ہی تھے لیکن ان کے بعض رویوں اور عادتوں میں ایسی انفرادیت اور انوکھا پن موجود ہے کہ وہ عام فرد کی سطح سے بلند ہو کر ایک خاص آدمی بن جاتے ہیں ___ ایک تخلیقی انسان یوں بھی عام لوگوں کی نسبت خاص، منفرد اور پر کشش ہوتا ہے۔

حوالے

۱۔ محمد خالد اختر، ایک آدمی، احمد شاہ نامی، افکار (کراچی: جلد:۳۰ شمارہ:۵۸،۵۹، جنوری فروری ۱۹۷۵ء) ص:۱۴۵

۲۔ احمد ندیم قاسمی، محمد خالد اختر، معاصر، ص:۶۶۹

۳۔ مسعود اشعر، ۲۰۱۱ منفی ۹، فنون، ص:۲۰

۴۔ خالد اختر، دو سفر، (لاہور: مطبوعات، ۱۹۸۴ء) ص:۹۹

۵۔ ایضاً، ص:۱۴۸

۶۔ خالد اختر، محمد خالد اختر کی آخری تقریر، فنون (لاہور: شمارہ:۱۱۶ اکتوبر ۲۰۰۱ء ___ مارچ ۲۰۰۲ء) ص:۲۵۰

۷۔ ایضاً

۸۔ عبدالباسط اختر، راقم سے گفتگو، بہاول پور

۹۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو، کراچی: ۲۳ مارچ ۲۰۰۳ء

۱۰۔ خالد اختر، دو سفر، ص:۹۶،۹۷

۱۱۔ محمد کاظم، سید، جواب نامہ، ۱۶ جولائی ۲۰۰۳ء

۱۲۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو

۱۳۔ محمد کاظم، جواب نامہ

۱۴۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو، کراچی: ۲۳ مارچ ۲۰۰۳ء

۱۵۔ خالد اختر، مکتوب بنام محمد کاظم، کراچی: ۱۶ مارچ ۱۹۹۹ء

۱۶۔ ایضاً، ۱۰ اپریل ۱۹۹۶ء

۱۷۔ خالد اختر، مکتوب بنام نیر مسعود، کراچی: ۲۹ نومبر ۱۹۹۶ء، تحریر، ص:۱۳۴

۱۸۔ خالد اختر، دو سفر، ص:۱۲۰

۱۹۔ خالد اختر، کھویا ہوا افق، ص:۲۴۶،۲۴۷

۲۰۔ خالد اختر، یاترا (لاہور: قوسین، ۱۹۹۱ء) ص:۱۴،۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو، کراچی: ۲۳مارچ ۲۰۰۳ء

۲۲۔ انتظار حسین، باتیں اور ملاقاتیں، روزنامہ مشرق (لاہور: ۹ستمبر ۱۹۷۷ء) ص:۲

۲۳۔ احمد ندیم قاسمی، محمد خالد، معاصر، ص:۶۷۱، ۶۷۲

۲۴۔ محمد کاظم، سید، جواب نامہ

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ محمد کاظم، جواب نامہ

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ خالد اختر، یاترا، ص:۴۳، ۴۴

۲۹۔ عبدالباسط اختر، راقم سے گفتگو، بہاول پور: ۱۳اکتوبر ۲۰۰۴ء

۳۰۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of the
Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.109, 2017 pp 43 - 50

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیۂ علومِ شرقیہ
جلد ۳۸، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۹

مشائخ سیال شریف کی فارسی شاعری

☆سید عنصر اظہر ☆☆پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال شاہد

Abstract:

The Services of the Sufi Saints of Sayyal Sharif are not confined to the preachings of Islam and social reformations, rather their services are quite worth mentioning regarding the writing, creating , publishing and editing of the books. Particularly the tradition of poetry is very much there in abundance. We find Urdu, Persian, Punjabi and Saraiki Poetry in excess where almost all the important poetic forms are found for the reformation of society. We also find both the elements of Love and Devine poetry there. Their skill and knack in poetry is very prominent in almost all the ages.

مقالہ:

ادبیات فارسی اور تصوف و عرفان کا ساتھ بہت پرانا رہا ہے۔ بابا طاہر عریاں ، ابوسعید ابوالخیر، فریدالدین عطار، حکیم سنائی، عبداللہ انصاری ، مولانا روم، سعدی، حافظ و جامی سے لیکر امام خمینیؒ تک سب کے اشعار تصوف و عرفان سے متصف نظر آتے ہیں۔ جب فارسی شعر و ادب نے برصغیر کا رخ کیا تو یہاں بھی امیر خسرو، حسن سجزی، بیدل، غالب، علامہ اقبال، بابا فریدالدین گنج شکر، شاہ سلمان تونسوی، حسن شہید ملتانی، خواجہ غلام فرید، پیر مہر علی شاہ اور دیگر بہت سے صوفی شعرا نے اس شعر و عرفان کے رشتے کو بطریق احسن نبھایا۔

☆ صدرِ شعبہ فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔
☆☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ شالیمار کالج، لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر میں عرفان کے امتزاج سے مقصدیت اور معنویت کا ورود ہوا جس نے فارسی شعر کو دو آتشہ کر دیا اور فکری و معنوی لحاظ سے اوج کمال پر پہنچا دیا۔ برصغیر میں مختلف عرفانی خانوادوں اور دبستانوں نے اس روش کی بھرپور آبیاری کی۔ دبستان تونسہ وملتان، گولڑہ شریف وسیال شریف وغیرہ نے سرزمین پنجاب میں اپنے خون دل سے رخ برگ گلاب کو نکھارا۔

خانوادہ سیال شریف نے نہ صرف تحریک پاکستان اور دیگر معروف مذہبی وسیاسی تحاریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ شعروادب کی آبیاری میں بھی بھرپور کردار ادا کیا اور آج تک کر رہے ہیں۔ خواجہ شمس الدین سیالویؒ، صاحبزادہ عبداللہ سیالویؒ، خواجہ قمرالدین سیالویؒ، میجر اسلم سیالوی جیسے شعراو عرفا نے فارسی شعر کی اس کھیتی کو سرسبز اور لہلہاتا رکھنے میں بھرپور معاونت ومساعدت کی۔

پنجاب میں دو قومیں سیال کہلاتی ہیں۔ ایک وہ جو جھنگ کے اکناف واطراف میں آباد ہیں۔ یہ قوم راجپوت کہلاتی ہے۔ اس کے مورث اعلیٰ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے۔ دوسری وہ قوم ہے جو کھوکھر قطب شاہی کہلاتی ہے اور جس کا نسبی تعلق حضرت عباسؓ بن علی المرتضیٰؓ کی اولاد کے ساتھ ہے۔ ''سیال'' لفظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے اس خانوادے کے ایک بزرگ کا نام ''سال'' تھا۔ اس کی اولاد اس کے نام پر سال اور بعدازاں سیال کے نام سے موسوم ہوگئی۔ (مرید احمد چشتی، ج۱، ص ۱۵۔۱۶)

پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع سرگودھا میں ایک بستی سیال شریف کے نام سے شہرت کے بام عروج پر فائز ہے، جہاں چشتیہ سلسلہ کے نامور بزرگ اپنے روحانی فیوض وبرکات کی خیرات تقسیم فرماتے ہیں۔ صحبت خان کوہاٹی، ص ۴۹)

خانوادہ سیال شریف کے اکابرین نے مذہب، سیاست وعرفان کے علاوہ ادبیات کے میدان میں بھی انمٹ نقوش مرتب کیے۔ شعر اور نثر دونوں میدانوں میں اپنی علمی وعرفانی برتری کو یکساں منوایا۔ نثر میں ان کے ملفوظات اور مسائل شرعیہ وتصوف وعرفان پر لکھی گئی کتب آج بھی مشعل راہ ہیں۔ اردو، فارسی، عربی، پنجابی اور سرائیکی میں ان کی شاعری بھی بلند پایہ کی حامل شاعری تصور کی جاتی ہے جو فکری وفنی ہر دو حوالوں سے گہرائی اور گیرائی کا حسین مرقع ہے۔

خواجہ شمس الدین سیالویؒ بن میاں محمد یار جو سیال شریف سرگودھا میں ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء کو پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے۔ آپ سیالوی خانوادے کی ادبی روایت کے آغاز کنندہ ہیں جو اس زمانے کے معروف عارف وصوفی بزرگ شیخ کرمؒ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ (نور احمد خان فریدی، ص ۲۸۰) آپ کا سلسلہ نسب پچاس واسطوں سے حضرت عباس علمدارؓ بن حضرت علی مرتضیٰؓ سے جا ملتا ہے۔ (مرید احمد چشتی، ج ا، ص ۱۷)

شمس الدین سیالویؒ نے مولانا محمد علی مکھڈیؒ اور حافظ محمد احسن المعروف حافظ دراز (کابل۔ افغانستان) سے کسب فیض کیا اور خواجہ سلیمان تونسویؒ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء میں خلافت سے سرافراز ہوئے۔ (امیر بخش منشی، صص ۲۴۔۴۰)

یہ دور برصغیر میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا دور تھا۔ انگریز قابض ہوتے جا رہے تھے اور سکھوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ شمس الدین سیالویؒ نے سیال شریف میں ۱۸۴۲ء میں ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ (عالم فقری، ص ۳۴۲)۔ آپ کے خلفا بھی کثیر التعداد تھے جو ملک کے کونے کونے میں شمع رشد و ہدایت روشن کیے ہوئے تھے۔ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ کو آپ چند روز بیمار رہنے کے بعد واصل بہ حق ہوئے۔ (قدوسی، ص ۳۶۰) آپ کے وصال کے بعد آپ کے ایک خلیفہ سید محمد سعید حیدر زنجانیؒ نے ''مرات العاشقین'' کے نام سے آپ کے ملفوظات شائع کیے۔ اسی طرح سید جلال حیدر جلالپوریؒ نے نفحات المحبوب فی احیا القلوب، عبدالغنی نے ملفوظات حیدری، ملک محمد الدین نے ذکر محبوب کے نام سے ملفوظات شائع کیے جبکہ پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے مجموعہ ملفوظات شائع کیا۔

شمس الدین سیالویؒ پنجابی اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اپنے استاد مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی فرمائش پر درج ذیل فارسی غزل کہی:

مقیم کوی آن شاہم کہ اعلیٰ آستان دارد ملوکش جملہ مفتون و ملائک پاسبان دارد
مثال عشق ما با آن شہِ خوبان عبرانی چو آن ذالی کہ در دست تنیدہ ریسمان دارد

(سعید، سید محمد، ص ۲۷۰)

صاحبزادہ محمد عبداللہ سیالویؒ اس سلسلہ کے دوسرے فارسی گو شاعر ہیں۔ عبداللہ سیالویؒ کی ۱۳۰۷ھ میں سیال شریف میں ولادت ہوئی۔ حافظ میاں کریم بخشؒ سے خورد سالگی میں ہی قرآن مجید حفظ کیا۔ پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ سے بھی کسب فیض کیا۔ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے دست مبارک پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا اور اپنی ملی نظموں سے مسلم لیگیوں کا لہو گرماتے تھے۔ ''سیر القمر'' آپ کی تصنیف لطیف ہے۔ (مرید احمد چشتی، ج ۲، ص ۱۲۴) آپ اردو، فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ آپ کا غیر مطبوعہ دیوان کا نام ''عبد مرب'' ہے جو غزل، قصائد، رباعیات، قطعات، رجز، مزاحیات، مثنوی اور مدح وہجو پر مشتمل ہے۔ آپ کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آنجا کہ جبرئیلؑ امین ماندست لال و بک وصم — در بارگاہ آن شہی لا ترفعو اصواتکم

حم، طٰہٰ شان او روح الامین دربان او — شد تابع فرمان او جن و ملائک کلّھم

انعام او بیرون ز حد، احسان او بس لا تعد — آسان شود کار عبد، یک گر بخشد ز خُم

(مرید احمد چشتی، ج ۲، ص ص ۱۲۶۔۱۲۷)

آپ کی غزل کے چند اشعار ان کے بیان واردات قلبی اور شعری مزاج بتانے کے لئے کافی ہیں:

چہ سعید بود ساعت، چہ صبیح صبح گاہی — کہ قرار دل ربودی تو بہ یک غلط نگاہی

چو کشید تیغ ابرو سرِ خود بکف نہادم — کہ مبادا دوست رنجہ پی قتل بی گناہی

صنما! بسوی مسکین ز کرم گہی گزر کن — عمرم بہ آخر آمد کہ فتاد ام بہ راہی

(نظیر لدھیانوی، ص ۲۸۳)

شیخ الاسلام خواجہ قمر الدینؒ خانوادہ سیال شریف سے تعلق رکھنے والے تیسرے بڑے فارسی گو شاعر ہیں جو ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء کو سیال شریف سرگودھا میں متولد ہوئے۔ سیال شریف میں اپنے زمانے کے جید اساتذہ سے کسب فیض کرنے کے بعد مدرسہ صوفیہ اجمیر شریف ہند سے علامۃ العصر مولانا معین الدین اجمیری سے منطق وفلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ (صحبت خان کوہاٹی، ص ص ۲۵۳۔۲۵۴)

۱۳۴۸ھ میں تونسہ شریف تشریف لائے اور خواجہ حامد تونسویؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت پائی اور واپس سیال شریف آکر رشد ہدایت کہ شمع روشن کی۔ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ کو ایک جان لیوا ٹریفک حادثہ میں جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی اور اپنے جد امجد شمس العارفین کے مزار کے قریب ہی دفن ہوئے۔ (اکرم ساجد، ص ص ۱۱۴۔۱۲۱)

آپ ایک عالم متعہد تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام یوں ہیں: التحقیق فی التطبیق تبلیغ القوم فی اتمام الصوم، الجہاد، صلوٰۃ العصر، مذہب شعیہ، انا لحکم الا اللہ، بلاغ المبین۔(عبدالحکیم شرف قادری، ص ۳۴۶)

خواجہ قمرالدین سیالویؒ نے اردو، فارسی اور عربی میں شعر کہے۔ ان کی شاعری عشق حقیقی، عشق رسولؐ اور عارفانہ مضامین کا مرقع ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے:

نعت:

آن جملہ رسل، ہادی برحق کہ گزشتند — بر فضل تو ای ختم رسل دادہ گواہی

در خُلق و در خَلق توی نیر اعظم — لا تدرك اوصافك لم تدركماهی

یا احسن و یا اجمل و یا اکمل و اکرم — واللہ با خلاقك فی الملا یباهی

(مرید احمد چشتی، ج ۴، ص ۳۴۴)

غزل:

ز قامت عالمی زیر و زبر شد — اسیر گیسویت آشفتہ تر شد

ز حال زار اندامش بر آورد — کہ آھو در یم و ماھی بہ بر شد

خرام ناز و اندامش بر آورد — کہ یوسفؑ در ہوایش در بدر شد

فدامك حسنہ لاریب فیہ — دلیل حسن او شمس و قمر شد

(مرید احمد چشتی، ج ۴، ص ۳۴۵)

جب افغانستان کے شہر کابل میں ظاہر شاہ نے ہندوستان کے یوم آزادی پر مورتی پوجا کا اہتمام کیا اور بعد ازاں ہندوستان جا کر کرشنا کے بت پر پھول نچھاور کئے تو قمرالدین سیالوی نے درج ذیل فارسی اشعار کہے۔

امثال نا خلف ز چہ پرسی ، بیا ببین — اولاد بت شکن بہ تماشای بت گری

آنان کہ سومنات شکستند و بیختند — با قبرشان کنند بت کرشنا برابری

ہیہات پسر شیر چہ آموخت روبہی — در بیشہ ہز بز ثعالب ستم دری

ظلم عظیم و جور جفایت ز حد گذشت — با خویش دشمنی و بدشمن برابری

(مرید احمد چشتی، ج ۴، ص ۳۴۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت فخر الدین سیالویؒ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو سیال شریف میں متولد ہوئے۔ آپ کے والد خواجہ ضیا الدین سیالویؒ تھے۔ آپ بھی اردو، فارسی میں شعر کہتے تھے۔ نعت، منقبت، غزل، قطعات اور رباعیاں کہیں۔ آپ کے اشعار عارفانہ بھی ہیں اور عاشقانہ بھی۔ مجاز کی عکاس بھی ہیں اور حقیقت کی بھی۔ ہدیہ سلام بحضور سرور کونین محمد مصطفیؐ سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ای پناه جهان سلام و علیک — تکیه بی کسان سلام و علیک

مطلع کن فکان سلام و علیک — مقطع مرسلان سلام و علیک

لطف فرما که ما شکسته ترایم — لطف شایانِ شان سلام و علیک

(غلام فخر الدین سیالوی، ص۲۳)

رباعی:

تا حال که قال است بدان راز نیامد — چون راز در آید دگر آواز نیامد

استاد جهان سعدئ شیراز چه خوش گفت — آنرا که خبر شد خبرش باز نیامد

(غلام فخر الدین سیالوی، ص۵۷)

میجر محمد اسلم سیالوی بھی خانقاہ سیال شریف کے عصر حاضر کے مستند شعرا میں شمار ہوتے ہین۔ محمد اسلم سیالوی ۱۹۵۸ء میں سیال شریف پیدا ہوئے۔ عربی اور ایجوکیشن میں ایم۔ اے کیا، فاضل دارالعلوم سیال شریف اور فاضل مصر ہیں۔ ماہر لسانیات ہیں۔ اردو، فارسی، عربی، سرائیکی، پنجابی اور انگریزی زبانوں پر مہارت کامل رکھتے ہیں۔ خواجہ قمر الدین سیالویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پاک فوج میں خدمات سرانجام دے کر ریٹائرڈ ہوئے۔ میجر محمد اسلم سیالوی نے اردو اور فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ غزل، رباعی اور قطعات آپ کا خصوصی میدان سخن ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

قطعہ:

آدمی با آدمی کرد آنچه کرد — خون ما ارزان مثال دود و گرد

طالبان فتنه سر گرمِ فساد — وحدت ما پاره پاره فرد فرد

(اسلم خان سیالوی، ص۱۴۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خانوادہ سیال شریف نے قحط الرجال اور فارسی شعروادب کے زوال وانحطاط کے اس زمانے میں بھی روز اول سے ہی فارسی شعر کی روایت کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ خصوصاً جب فارسی فہمی اور فارسی گوئی عنقاومفقود ہوتی جارہی ہے اس حال میں بھی سیال شریف کے شعراوادبا اس روایت کو فکری وفنی ہر دو حوالوں سے پاسبان بن کر ڈٹے ہوئے ہیں اور اس گلستان کی تازہ خون سے آبیاری کر رہے ہیں۔ انہوں نے بطریق احسن فکر مولوی، گلستان سعدی، معرفت حافظ اور عشق جامی کو اپنی ادب شناسی اور ادب پروری کے زور سے تابندگی عطا کی ہوئی ہے اور برصغیر میں فارسی شعر کی روایت کو سنبھالا دے رکھا ہے۔

☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ اسلم خان سیالوی، میجر محمد، اوج سعادت، آستانہ عالیہ حافظیہ ماجدیہ کراچی، ۱۴۳۶ء

۲۔ اکرم ساجد، گلشن پیر سیال، مکتبہ جمال کرم لاہور، ۲۰۰۶ء

۳۔ امیر بخش منشی، انوار شمسیہ المسمیٰ بہ خطبہ چشتیہ مفید عام پریس لاہور، ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء

۴۔ سعید، سید محمد، مراۃ العاشقین، اسلامک بک فاونڈیشن لاہور، ۱۳۰۳ء

۵۔ مشرف قادری، علامہ عبدالحکیم، نور نور چہرے، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۹۷ء

۶۔ صحبت خان کوہاٹی، ڈاکٹر محمد، فروغ علم میں خانوادہ سیال شریف اوران کے خلفا کا کردار، انجمن قمر اسلام سلیمانیہ کلفٹن کراچی، ۲۰۱۰ء

۷۔ صحبت خان کوہاٹی، ڈاکٹر، مجلّہ کاروان قمر، شیخ اسلام نمبر کراچی، ۲۰۰۰ء

۸۔ عالم فقری، تزکرہ اولیای پاکستان، ج ۱، ادارہ پیغام قرآن لاہور، ۲۰۰۵ء

۹۔ فخرالدین سیالوی، باب جبریل، سیال شریف سرگودھا، س۔ن

۱۰۔ قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ صوفیای پنجاب، سلمان اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء

۱۱۔ مریداحمد چشتی، حاجی محمد، فوز المقال فی خلفای پیر سیال، ج ۱، ادارہ تعلیمات اسلاف لاہور، ۱۹۹۷ء

۱۲۔ مریداحمد چشتی، فوز المقال فی خلفای پیر سیال، ج ۲، انجمن قمر الاسلام کراچی، ۲۰۱۰ء

۱۳۔ مریداحمد چشتی، فوز المقال فی خلفای پیر سیال، ج ۴، انجمن قمر الاسلام کراچی، ۲۰۰۷ء

۱۴۔ نظیر احمد لدھیانوی، شعر حسن، لاہور، ۱۹۷۸ء

۱۵۔ نور احمد خان فریدی، تذکرہ مشائخ چشت، قصر الادب، ملتان، س۔ن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of the
Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.109, 2017 pp 51 - 72

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۹

اختصار نویسی (تلخیص) کے اصول وضوابط اسلامی ادب کی روشنی میں

☆ڈاکٹر محمد سلیم اسماعیل ☆☆ڈاکٹر محمد اسلم صدیق

Abstract:

The article entitled:"Criteria of abbreviation through the light of Islamic Literature"is about history,deffination,imortance,process and criteria of this prestigious kind of writting through the light of Islamic & Arabic Literature. Alternate of the word abbrevation is khulasa and alternate of the word acronym is mukhafaf in Urdu .Abbrevation is a techinc and type of writting or compilation in which explanatory text can be changed in form of shortend words .Technic of abbrevation should apply under a criteria otherwise it would be a great defficiency in producing a new literature. The article throughs light on merits ,demerits and various types of abbrevation.

Keywords: khulasa, talkhees, art of writting and compilation, Immam, Islamic Jurisprudence, explanations, commentaries, words, book, voulmes, criteria,text, scholars, writers, researcher, late scholars, coming scholars, footnotes, methodology.

تصنیف وتالیف کے بے شمار انداز اور اقسام ہیں اور مختلف علوم میں ہر طرح کی تصنیفات منظر عام پر آ چکی ہیں۔ بعض کتابیں تو نہایت ضخیم ہیں، جیسے ابن عقبہؒ کی کتاب ''الفنون'' چار سو جلدوں پر مشتمل ہے۔ بعض کتابیں متوسط درجہ کی ہیں اور صرف چند جلدوں پر مشتمل ہیں اور بعض کتب نہایت مختصر اور چند صفحات سے زیادہ نہیں ہیں۔ الغرض ضخامت، موضوعات، علوم کی مختلف اقسام اور مصنفین کے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے مختلف اقسام پر مشتمل بے شمار کتب اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ علامہ ابن خلدون ''مقدمہ'' میں تصنیف وتالیف کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد۔

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی فیصل آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''لوگوں نے تصنیف وتالیف کے چند مقاصد کا احاطہ کیا ہے جن پر واقعی بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ا: تصنیف کا سب سے عظیم مقصد کسی جدید علم کا انکشاف ،اسے فصول اور ابواب میں تقسیم کرنا، اس سے متعلقہ ابحاث کو تلاش کرنا اور ان مسائل اور اصولوں کا استنباط کرنا ہے جو ایک محقق کو پیش آسکتے ہیں بشرطیکہ وہ محقق ان مسائل کو دوسروں تک پہنچانے میں حریص بھی ہو۔مثال کے طور پر اصول فقہ کا علم لیجئے ،جس کا پہلے بالکل وجود نہیں تھا۔امام شافعیؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دلائل شرعیہ کو سامنے رکھ کر اصول فقہ کا علم ایجاد کیا اور اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں اس کی تدوین کا آغاز کیا۔فقہ کے اصولوں کا استنباط کیا۔پھر احناف اس میدان میں داخل ہوئے اور انہوں نے قیاس کے جملہ مسائل کا احاطہ کیا۔۲تصنیف کا دوسرا بڑا مقصد ائمہ سلف کی کتب کی پیچیدہ عبارتوں کو آسان انداز میں کرنا ہے۔۳: تیسرا مقصد متقدمین ائمہ کے تسامحات اور غلطیوں کی نشاندہی کرنا ہے۔۴:کسی علم وفن کے تشنہ پہلوؤں کا اس طرح احاطہ کرنا کہ وہ ہرلحاظ سے مکمل ہوجائے۔۵:کسی علم کے غیر منظّم اور غیر مرتب مسائل کو مرتب و منظّم کرنا اور ان کی نوک پلک سنوارنا۔۶: ایک علم کے مختلف کتب میں جا بجا بکھرے ہوئے مسائل کو مختلف کتابوں سے چھانٹ کر یکجا کرنا۔۷: کسی فن کی مفصل اور طول طویل ابحاث پر مشتمل امہات کتب کو اس طرح مختصر کرنا کہ کم از کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی سماجائیں۔''(۱)

ابن ندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں ایسے مختلف ۳۴ علوم وفنون کو جمع کر دیا ہے۔اور حاجی خلیفہ کی کتاب ''کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون'' تصنیفات کے اسماء اور ان کی انواع واقسام اور اسلامی مصادر وماخذ کی تفصیل کا ایک حسین مرقع ہے، اور اس فن میں وہ ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کی متعدد حواشی،شروحات،تعلیقات اور تلخیصات اس کی اہمیت کی آئینہ دار ہیں۔

علما نے تصنیف وتالیف کے میدان میں متن ، شرح ، حاشیہ،تہمیش، تذییل اور اختصار؛ ایسی متعدد اصنافِ تالیف کو اختیار کیا ہے۔ان میں سے ہر صنف کے اپنے اصول، مقاصد اور تقاضے ہیں،لیکن ہم سردست تالیف کی صنف:'اختصار نویسی' تک اپنی بحث کو محدود رکھیں گے۔

اختصار نویسی،اس کا مفہوم اور اس کے بعض مترادفات

اختصار نویسی تالیف کی ایک اہم قسم ہے۔متقدمین اور متاخرین میں سے بے شمار مصنفین نے اس طریقہ تالیف میں دلچسپی لی۔کشف الظنون کے مصنف نے سائز اور مقدار کے اعتبار سے تالیفات کو ضخیم، متوسط اور مختصر میں تقسیم کیا ہے کہ ضخیم کتب؛ بغرض مطالعہ ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔متوسط کتب افادہ علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ اور مختصر کتب سے صرف منتہی طلباء ہی استفادہ کر سکتے ہیں یا پھر وہ ابتدائی طالب علم جو انتہائی ذہین ہو اور انتہائی پیچیدہ اور دقیق سے دقیق عبارات کے معانی کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (۲)

لسان العرب میں ہے کہ ''کلام میں اختصار سے مراد اس کا اجمال ہے۔ یعنی کلام کو حشو وزوائد سے پاک کرنا اور ہر چیز سے اس کے زائد غیر ضروری حصہ کو حذف کر دینا اختصار کہلاتا ہے۔''(۳) علماء کی اصطلاح میں اختصار کا مفہوم تقریباً لغوی معنی کے قریب قریب ہے۔ چنانچہ ابن قدامہؒ اپنی کتاب "مختصر الخرقی'' کی شرح میں اختصار کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''**اختصرت هذا الكتاب**، یعنی میں نے اس کتاب کے الفاظ کو کم کیا اور اسے مختصر کیا۔'' امام البہوتیؒ (۱۰۵۱ھ) نے لکھا ہے کہ ''اس سے مراد وہ کلام ہے جس کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔'' شیخ عبدالرحمٰن بن قاسم ''روض المربع'' کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ اختصار سے مراد بعض الفاظ کو اس طرح (حذف) کم کرنا کہ یہ کمی معنی پر اثر انداز نہ ہو۔(۴) الخطیب شربینی ''مغنی المحتاج'' میں فرماتے ہیں: ''فقہ میں مختصرات سے مراد وہ کتب ہیں جن کے الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوں اور اختصار سے مراد: الفاظ کو اس طرح کم کرنا کہ معانی میں کوئی فرق نہ پڑے۔''(۵)

مذکورہ عبارات کے تناظر میں اختصار کا یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ کسی کتاب کے مسائل یا اس کے الفاظ کو اس طرح کم کرنا کہ معنی میں کسی طرح کی تبدیلی واقع نہ ہو۔ اور طویل سے طویل عبارت کا نتیجہ اس طرح چند فقروں میں سمو جائے کہ اس میں مکمل تاثر اور ابلاغ موجود ہو اور زیادہ سے زیادہ معانی کم از کم الفاظ میں ادا ہو جائیں۔ پیغمبر ﷺ **أوتيت جوامع الكلم واختصر لي الكلام اختصارا**(۶)

''مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا ہے اور کلام میرے لئے مختصر کر دی گئی ہے۔''

تلخیص، تہذیب اور انتقی جیسے الفاظ بھی اختصار کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں، لیکن ان کے درمیان کچھ فرق بھی پایا جاتا ہے۔ تلخیص: کبھی تو اختصار کا ہم معنی ہوتی ہے اور کبھی اس کے برعکس، تفصیل تشریح اور تحقیق کے معنی میں ہوتی ہے۔ القاموس میں اس کا معنیٰ کسی چیز کی تشریح وتوضیح اور اسے غیر ضروری اشیاء سے پاک کرنا بیان ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کبھی اس میں یہ دونوں معانی بیک وقت جمع ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب: ''**التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير**'' میں ان دونوں معانی کو جمع کر دیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس میں ایک طرف تو اپنے شیخ ابن ملقنؒ اور دیگر محدثین کی تخریجات سے استفادہ کرتے فقہاء کی فروعات کے تمام دلائل پر مشتمل متعدد نکات اور فوائد کو جمع کیا ہے اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ یہ کتاب ابن الملقن کی کتاب ''البدر المنیر فی تخریج الأحادیث والآثار الواقعة فی الشرح الکبیر '' کا اختصار بھی ہے۔

'تہذیب' اور 'اختصار' قریب قریب معنی کے حامل ہیں اور 'تہذیب' اختصار کے معنی میں بھی مستعمل ہے، البتہ نوعیت کے لحاظ سے کبھی کبھی 'تہذیب' اور 'اختصار' ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ کتاب کی تہذیب سے مراد'' اسے غلطیوں سے پاک کرنا، اس کی نوک پلک سنوارنا، کتاب کی اصل عبارت اور اس کے موضوعات کا التزام کرنا اور اسے زوائد سے پاک کرنا ہے، جبکہ اختصار میں یہ ہوتا ہے کہ کتاب کے موضوعات کم کر دیئے جاتے ہیں اور اسے زوائد سے پاک کر دیا جاتا ہے، لیکن اس کی غلطیوں کی اصلاح مقصود نہیں ہوتی۔ اسی طرح تہذیب میں اصل کتاب پر اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے، جبکہ اختصار میں ایسے نہیں ہوتا۔ مثلاً امام مزی کی کتاب"تہذیب الکمال فی أسماء الرجال" باوجود حافظ عبدالغنیؒ کی کتاب'' الکمال فی أسماء الرجال'' کی تہذیب ہونے کے اس سے دوگنا زیادہ ہے۔

اور لفظ 'انتقاء' کا اختصار سے فرق یہ ہے کہ انتقاء میں کسی کتاب کا اختصار کرتے ہوئے اس کے بہترین مواد اور نہایت جامع الفاظ کو اختیار کیا جاتا ہے جس میں معانی کا بے پناہ ذخیرہ موجود ہو۔ اور بعض دفعہ اس کا اطلاق کسی مسئلہ کے متعلق تمام دلائل، نکات اور فوائد کا لب لباب اور نچوڑ جمع کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال ابن تیمیہؒ کی کتاب'' منتقی الأخبار من کلام سید الأخیار'' ہے۔ اس میں احکام سے متعلقہ روایات کو جمع کیا گیا ہے اور یہ کسی دوسری کتاب کا خلاصہ یا اختصار نہیں ہے۔

اختصار کی چند ضمنی صورتیں

ویسے تو اختصار کی یہی ایک صورت ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اختصار کی چند صورتیں ہیں۔ ان کی افادیت واہمیت کے پیش نظر انہیں یہاں ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

اختصارِ حدیث

اس سے مراد حدیث کے بعض متن پر انحصار کر کے بعض کو حذف کر دینا ہے۔ محدثین نے اس کے جواز کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ امام مالک رسول اللہ ﷺ کے قول کو مختصر کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اشہبؒ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

''جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے قول کا تعلق ہے تو میں اس میں کسی قسم کی بھی کمی بیشی کو روا نہیں سمجھتا۔ اور رہا رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دیگر اقوال کا معاملہ ہے، تو میرا خیال یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر تو حذف کرنے سے مفہوم میں فرق نہ آئے تو حذف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

امام مجاہدؒ، ابن معینؒ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک متن کے بعض حصہ کو حذف کرنا مطلقاً جائز ہے، خواہ اس سے معنی میں تبدیلی ہو یا نہ ہو۔ اور بعض یہ فرق کرتے ہیں کہ اگر تو حذف کرنے سے مفہوم میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی اور شریعت کا کوئی حکم فوت نہیں ہوتا تو جائز ہے، وگرنہ ناجائز۔ لیکن جمہور علما کا مسلک یہ ہے کہ اگر تو متن حدیث میں تبدیلی کرنے والا کوئی ماہر عالم ہے، جو کلام کی باریکیوں کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اختصار کرنا جائز ہے، وگرنہ نہیں۔ ابن حجرؒ نے بھی جمہور کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔(۷)

کلمات اور الفاظ میں اختصار

وقت کی قدر و قیمت کا احساس رکھنے والے کے لئے بعض الفاظ اور کلمات میں اختصار کرنا نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے قاری اور کاتب کے لئے وقت کے ساتھ وسائل کی بھی بچت ہوتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی عالم یا محقق مختلف علوم کی تصنیف و تالیف کے دوران اختصار کی اس صنف سے کنارہ کش نہیں رہ سکتا۔ اس میدان میں بہت کام ہوا ہے۔ علم حدیث میں اختصار کی چند صورتیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ کتبِ حدیث کے اسماء میں اختصار: مثلاً 'خ' سے مراد صحیح بخاری 'م' سے مراد صحیح مسلم 'د' سے مراد ابوداؤد، اسی طرح دیگر کتب حدیث۔

۲۔ حدیث کو روایت کرنے کے لئے جو صیغے (الفاظ) استعمال ہوتے ہیں، ان میں اختصار: مثلاً **حدثنا** سے **ثنا**، **أخبرنا** سے **أنا**، **قال حدثنا** سے **قثنا** وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ حدیث کو بیان کرنے میں اختصار: چنانچہ محدثین بعض دفعہ حدیث کا ابتدائی حصہ ذکر کرنے کے بعد صرف لفظ 'الحدیث' لکھ دیتے ہیں، جس کا مطلب ہوتا ہے **أكمل الحديث**، یعنی حدیث کو مکمل کر لیجئے، مثلاً حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إنما الأعمال بالنيات** "الحدیث" یعنی **أكمل الحديث**

۴۔ حدیث پر صحت اور ضعف کا حکم لگانے میں اختصار: مثلاً 'ص' سے صحیح 'ح' سے مراد حسن اور 'ض' سے مراد ضعیف۔

۵۔ حدیث کا حوالہ دینے میں اختصار: کہ مکمل حدیث ذکر کرنے کے بجائے صرف حدیث کا نمبر دے دیا جاتا ہے۔

۶۔ سند اور متن میں اختصار: جب ایک حدیث کے بعد دوسری حدیث کا متن سند کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تقریباً اس کے قریب قریب ہو تو محدثین کہتے ہیں: **به بنحوه**، لیکن اگر بعد الذکر حدیث کا متن اول الذکر حدیث کے متن سے بالکل مطابق ہو، تو کہتے ہیں: **به بمثله**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختصار کی یہ صنف صرف عربی زبان میں ہی نہیں بلکہ ہر زبان میں عام ہے اور شرعی علوم کے دیگر علوم، مثلاً علم ریاضی، فزیالوجی اور علوم طب وغیرہ میں بھی اختصار کی یہ صنف نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اور اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

اسی طرح خفیہ خطوط، دستخط اور برقی تاروں کے ذریعے پیغام رسانی اور ٹیلی فون میں اشاروں کی زبان استعمال کرنا بھی اختصار کی اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح افواج کے درمیان جاسوسی کے لئے بعض کوڈ ورڈ کا استعمال اسی قسم سے ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی بے شمار صورتیں اور متعدد فیلڈ ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن کلام میں اختصار کی اس صنف کے فوائد کے حصول بعض اہم اصول وضوابط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، وگرنہ یہ فن اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھے گا:

۱۔ اختصار کے لئے ایک حد متعین ہونی چاہئے، یعنی اختصار اس قدر زیادہ نہ ہو کہ قاری کے لئے عبارت نہایت پیچیدہ اور گنجلک ہو جائے اور اسے سمجھنے کے لئے قاری کو ہر کلمہ پر گہرا غور وفکر کرنا پڑے۔

۲۔ جب اختصار ادب کے منافی اور مفہوم میں کسی قسم کا وہم پیدا کر رہا ہو تو اس صورت میں اس سے احتراز کیا جانا چاہیے، مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ﷺ کی بجائے 'ص' یا 'صلعم' لکھنا یا صحابی کے نام کے ساتھ ؓ لکھنا ادب کے منافی ہے۔ اس طرح جہاں اختصار خلاف اولیٰ اور نا قابل تحسین ہو، مثلاً حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں صرف صحیح یا ضعیف کہنے پر اکتفا کرنا، کیونکہ اس کا مطلب طلبائے علم کو دوسروں پر بھروسہ کرنے اور تقلید کا عادی بنانے کے مترادف ہوگا اور اس طرح وہ حدیث کے مختلف طرق کو جمع کرنے اور پھر تمام طرق کے راویوں کی چھان بین کرنے کی تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔

اختصار نویسی کے جواز اور عدم جواز کے متعلق محققین کا نقطہ نظر

اس بارے میں محققین علماء اور مصنفین دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں:

پہلا گروہ: ایک گروہ نے کتب کے اختصار کی شدید مخالفت کی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ انسانی تربیت اور اس کی علمی استعداد کو فروغ دینے کا جو صحیح طریقہ ہے، اس کے سراسر منافی ہے۔ یہ علمی تحریک کا دم واپسیں ہے۔ ایسے طریقوں کا ظہور اس وقت ہوتا ہے، جب علمی انحطاط کا آغاز ہو جائے اور اجتہاد کا دروازہ بند کر کے تقلید کی روش اختیار کر لی جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ اختصار نویسی مؤلف کی علمی اہلیت کی کمزوری کا مظہر ہوتی ہے، کیونکہ اس سے وہ حقائق اور نئی تحقیقات سامنے نہیں آتیں ہیں جن سے دماغوں کو جدید و صالح علمی و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکری غذا مہیا ہو سکے۔ علامہ محمد کرد علی اپنی کتاب ''خطط الشام'' میں لکھا ہے کہ عثمانی دور حکومت میں دمشق کی علمی حالت نہایت دگرگوں ہو چکی تھی۔ متقدمین نے جو علمی اندوختہ چھوڑا تھا، اکثر متاخرین کا کام صرف ان کی منتشر معلومات کو یکجا کرنا اور اس کی شرح وتوضیح، اختصار وتلخیص رہ گیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اجتہاد اور تخلیقی کام کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا اور عہدِ فاطمیین میں ایسے شخص کو سخت سزا دی جاتی تھی جو مذاہب اربعہ؛ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتا تھا۔(۸)

اختصار کے مخالفین میں سے بعض کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کسی کتاب کا اختصار کرنا اس پر ایک طرح کا ظلم ہے اور اس کے حسن وجمال کو بٹہ لگانے کے مترادف ہے۔ آپ کلام میں جس قدر اختصار کریں گے، اسی قدر آپ کے الفاظ دقیق الفہم اور پیچیدہ ہوتے جائیں گے۔ ایک طالب علم کا ذہن اس قدر راسخ نہیں ہوتا اور نہ اس میں یہ ملکہ ہوتا ہے کہ وہ اس عبارت کی پیچیدگیوں کو سمجھ سکے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نو آموز طالب علم کی ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں اور وہ سمجھ نہیں پاتا کہ آیا تعلیم کے مقاصد کیا ہیں؟ اختصار کرنے کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ مختصر عبارت کو یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہو جائے، لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ طالب علم کی علمی استعداد کم ہونے کی وجہ سے وہ اپنا بہت سا قیمتی وقت عبارت کی گھتیاں سلجھانے میں ہی صرف کر دیتا ہے۔ جبکہ تعلیم کا مفید طریقہ تو یہ ہے کہ طالب علم کو مختصر کتب پڑھانے سے پہلے علوم کو رفتہ رفتہ اور تھوڑا تھوڑا ذہن نشین کرایا جائے۔ سب سے پہلے اسے اصولی اور امہات مسائل از بر کروائے جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ متعلّم کی ذہنی استعداد بھی ضرور پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس میں اخذِ علم اور استیعاب کی صلاحیت کس قدر ہے۔ اس نظریہ کے حامل جاحظ، ابن خلدونؒ اور یاقوت حمویؒ ہیں۔ یاقوت حمویؒ نے اس حوالہ سے جاحظ کے متعلق ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ

> ''جاحظ نے ایک کتاب لکھی۔ ان کے ایک ہم عصر نے اختصار کرتے ہوئے اس میں سے بعض چیزیں حذف کر دیں اور کتاب کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ جاحظ کو پتہ چلا تو اسے بلایا اور کہا: اے شخص! مصنف ایک مصور کی مانند ہوتا ہے۔ میں نے بھی اپنی تصنیف میں ایک تصویر بنائی تھی۔ اس کی دو آنکھیں تھیں، تو نے انہیں اندھا کر دیا، اللہ تجھے اندھا کرے! اس کے دو کان تھے تو نے انہیں کاٹ دیا، اللہ تیرے کانوں کو کاٹے! اس کے دو ہاتھ تھے تو نے انہیں شل کر دیا، اللہ تیرے ہاتھ شل کرے! جاحظ نے جسم کے ایک ایک حصہ کا نام لیا۔ آخر اس آدمی نے اپنی جہالت پر معذرت کی اور توبہ کی کہ آئندہ ایسے نہ کروں گا۔''(۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختصار کے سلسلے میں ابن خلدون نے نہایت سخت موقف اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اختصار کے دلدادہ، اور اس میں مبالغہ سے کام لینے والے متاخرین علما کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اختصار کے متعدد نقصانات کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے مشہور مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''بہت سے متاخرین علماء کو یہ شوق چرایا کہ انہوں نے علوم کے پھیلاؤ کو سکیڑنا اور سمیٹنا شروع کر دیا اور دریا کو کوزے میں بند کرنے کے زعم میں ہر علم کے پھیلے ہوئے مسائل، دلائل، طرق و اقسام کو مختصر سے مختصر اور پیچیدہ سے پیچیدہ عبارت میں لا کر ہر علم کا ایک خاکہ سا بنا ڈالا۔ اگر دیکھو تو کچھ نہیں، سمجھو تو بہت کچھ۔ اس طریق عمل سے انہوں نے گویا بلاغت کی جڑ کاٹ ڈالی، اور فہم متعلّم پر پہاڑ لا کھڑے کئے۔ طول وطویل کتب اور امہات تفاسیر پر جب انہوں نے نظر ڈالی، تو ان کے بھی ذرا ذرا سے خلاصے کر ڈالے، تاکہ ہر شخص ان کو آسانی یاد ہو کر سکے، مثلاً ابن حاجبؒ نے علم فقہ میں، ابن مالک نے علوم عربیہ (نحو) میں اور علامہ خونجی نے علم منطق میں یہی طریق کار اختیار کیا۔ اس اسلوبِ تالیف سے تعلیم کو سخت نقصان پہنچا اور علم کا حصول انتہائی خلل پذیر ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس قسم کی تالیفات کے ذریعے نو آموز طالب علم کے ذہن پر ایسے انتہائی قسم مسائل کو سمجھنے کا بوجھ ڈالا جاتا ہے جن کو سمجھنا ان کے بس میں نہیں ہوتا اور یہ تعلیم کا نہایت غلط طریقہ ہے۔ شاگرد بیچارا اصل مسائل کو چھوڑ کر مشکل و کٹھن الفاظ کی گتھیاں سلجھانے اور پھر ان کے دقیق الفہم معانی میں غور و فکر کر کے ان سے مسائل مستنبط کرنے میں ہی الجھ کر رہ جاتا ہے، کیونکہ یہ اصول ہے کہ آپ بیان میں جس قدر اختصار کریں گے، اسی قدر آپ کے الفاظ دقیق الفہم اور پیچیدہ ہوتے جائیں گے، جن کو حل کرنے میں متعلم کا بہت سا قیمتی صرف ہو جائے گا۔'' (۱۰)

دوسرا گروہ: ان علما کا ہے جنہوں نے اس کی تائید اور ہر لحاظ سے اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اختصار کے ان مجوزین کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ انہیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ اس کا اندازہ ان سینکڑوں مختصرات سے کیا جا سکتا ہے جو مختلف ادوار میں مختلف علوم میں تالیف کی گئیں۔ صرف شرعی علوم: تفسیر، حدیث، فقہ میں ہی مختصر شدہ کتب کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

اختصار نویسی کے بعض نقصانات کے باوجود بہرحال اس کی اہمیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اختصار کے نتیجہ میں اگر کتاب کے الفاظ پیچیدہ، معانی انتہائی دقیق الفہم و تراکیب زیادہ گنجلک ہو جائیں اور بآسانی یہ معلوم نہ ہو کہ ضمائر کا مرجع کیا ہے تو اس صورت میں یقیناً اختصار نویسی کی حمایت نہیں کی جا سکتی، لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر مقصد پیشرو تالیفات کی تنقیح ہو بایں صورت کہ کسی کتاب کے مسائل یا الفاظ اس طرح کم ہو جائیں کہ اصل مصنف کا مقصد بھی فوت نہ ہو اور اس کے ساتھ طویل سے طویل عبارت کا نتیجہ اس طرح چند فقروں میں سمو جائے کہ اس میں ابلاغ کا مکمل تاثر موجود ہو اور زیادہ سے زیادہ معانی کم از کم الفاظ میں ادا ہو جائیں تو اختصار نویسی کا یہ رویہ قابل تحسین ہے۔ اس طرح طالب علم کے لئے کتاب کو سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دوران اختصار اصل کتاب کی شرائط اور اصل مصنف کے مقاصد فوت نہ ہونے پائیں۔ متعدد جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب کو ایک جلد میں سمونے کا کام وہی شخص بطریق احسن انجام دے سکتا ہے جو ایک پختہ کار عالم ہو اور اسے علم میں فہم وبصیرت کا ایک وافر حصہ عطا ہوا ہو۔

اور اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اہم موضوعات اور امت مسلمہ کو درپیش مسائل پر لکھنا، مسائل دینیہ میں تجدید کی خدمت سرانجام دینا اور جن مسائل پر ابھی تک قلم نہیں اٹھایا گیا، انہیں امت مسلمہ کے لئے عیاں کرنا ہر لحاظ سے اولیت کا حامل ہے، تاکہ ہر عہد کے دماغوں کو جدید وصالح علمی وفکری غذا مہیا ہو سکے اور زمانہ کے اہل علم کو نئے مواد، نئے دلائل اور نئی تحقیقات سے آگاہی حاصل ہو۔ لیکن جب ہمتیں پست ہو گئیں اور عزائم کمزور پڑ گئے تو علما کو متعلمین اور اسلامی معاشروں کی حالت کا لحاظ رکھتے ہوئے اور کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اپنی توجہ اختصار کی جانب مبذول کرنا پڑی۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر علماء نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں معذرت خواہانہ انداز سے بعض وہ اسباب ذکر کئے ہیں جن کی وجہ سے انہیں بسط وتفصیل کی بجائے صرف ضروری اور اہم مسائل پر اکتفا کرتے ہوئے اختصار کا طریقہ کار اختیار کرنا پڑا۔ چنانچہ ابن حاجبؒ اصول فقہ پر اپنی مختصر کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ

> ''جب میں نے دیکھا کہ ہمتیں جواب دے گئی ہیں اور ہر شخص اختصار وایجاز کا خواہاں ہے تو میں نے اصول فقہ پر ایک نہایت مختصر کتاب تالیف کی اور میں نے اختصار میں وہ اچھوتا انداز اور عمدہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ ذہین اور عقلمند انسان کو کوئی چیز اس کے استفادے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی اور وہ باآسانی اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔'' (۱۱)

امام نوویؒ اپنی کتاب **المنهاج** جو کہ امام رافعیؒ کی کتاب **المحرر** کی تلخیص ہے میں فرماتے ہیں کہ:

> ''امام رافعیؒ کی کتاب ''**المحرر**'' اگرچہ نہایت عمدہ تلخیص ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا حجم کافی بڑا تھا۔ اہل زمانہ کے اکثریت کے لئے اس کو حفظ کرنا نہایت مشکل ہونا لہٰذا میں نے سوچا کہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اختصار کر کے اس کو آدھا کر دیا جائے تا کہ اس کو حفظ کرنا آسان ہو۔ اور اس کے ساتھ ہم اس میں بعض عمدہ اور مفید حواشی کا اضافہ بھی کر دیں۔ مثلاً بعض مسائل میں قیود کی نشاندہی کی ہے جو اصل کتاب میں مذکور نہیں ہیں۔ اسی طرح بعض ان مواقع کی نشاندہی کی ہے جہاں مصنف نے امام شافعیؒ کے مختار مذہب کی خلاف ورزی کی ہے۔ اسی طرح بعض وہ الفاظ جو غیر مانوس اور نادر الاستعمال تھے یا جن میں غلطی کا امکان تھا، انہیں مناسب الفاظ سے تبدیل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض نہایت عمدہ اور نفیس مسائل کو شامل کتاب کر دیا ہے، جن کے شامل کئے بغیر درحقیقت یہ کتاب نامکمل ہوتی۔"(۱۲)

اور امام سیوطیؒ اپنی مایہ ناز کتاب "الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"میں نے اپنی کتاب ترجمان القرآن تالیف کی جو کہ تمام کی تمام مرفوع روایات پر مشتمل اور کئی جلدوں پر محیط تھی اور میں نے اس میں تمام روایات کو بمع اسناد ذکر کیا تھا، لیکن جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کی ہمتیں اس کو حاصل کرنے سے قاصر ہیں اور وہ صرف متون پر انحصار کرنا چاہتی ہیں۔ تو میں نے اسناد کو چھوڑ کر صرف روایات کے متن پر اکتفا کرتے ہوئے الدرالمنثور کے نام سے اس کی تلخیص کر دی اور شروع میں اس معتبر کتاب کا حوالہ دے دیا ہے، جہاں سے میں نے یہ احادیث اخذ کی ہیں۔ یہ اس بحث کا ہلکا سا خاکہ تھا جو میں نے علماء کے اقوال کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔"(۱۳)

وہ علماء جنہوں نے مختلف کتب کے اختصار کا بیڑہ اٹھایا شاید ان کے پیش نظر اہم ترین مقصد یہی تھا کہ اس طرح کتب کو یاد کرنا آسان ہوگا اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں طالب علم کے لئے سمجھنے کی نسبت یاد کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ طالب علم کی علمی تعمیر وترقی میں ان دونوں پہلوؤں کا اس طرح دھیان میں رکھا جائے کہ ان میں باہم توازن اور اعتدال قائم رہے۔

اس کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ تقریباً ہر دور میں علماء کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ بچوں کو سب سے پہلے حفظ کروانا چاہئے، کیونکہ یہ حفظ آئندہ مرحلہ میں کلام کو سمجھنے اور اس سے احکام کو استنباط کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔ یاقوت حمویؒ کسی دور میں اختصار کے سخت مخالف تھے۔ جو شخص ان کی کتاب سے استفادہ کرنا چاہتا، اس سے یہ عہد لیتے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا اختصار کی کوشش نہ کرے گا۔ اگر وہ نہ مانتا تو اس کے شدید مخالف ہو جاتے اور اسے کہتے: جاؤ اللہ تم سے پوچھے، وہ اپنی کتاب معجم البلدان میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''طلبہ نے بارہا مجھ سے اس کتاب کا اختصار کرنے کا مطالبہ کیا، لیکن میں نے انکار کر دیا۔ یقیناً ان کا یہ مطالبہ ان کی پست ہمتی کا غماز تھا، لیکن اس کے باوجود پوری کلاس میں سے کسی نے بھی ان کے خلاف آواز بلند نہ کی۔ میں نے پھر بھی ان پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی، لیکن میرا ان سے یہ مطالبہ ہے کہ اگر کوئی شخص میری اس کتاب کو نقل کرنا یا اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو خدارا اس کی تلخیص یا اختصار کر کے میری اعصاب شکن محنت کو برباد کرنے کی جسارت نہ کرے۔''(۱۴)

وہ مزید لکھتا ہے:

''اگر تم میری یہ گزارش مان لو تو تمہارا مجھ بہت بڑا احسان ہوگا۔ میری دعا ہوگی کہ اللہ تمہیں اپنے صالح بندوں میں شامل فرمائے۔ اور اگر تم باز نہیں آ ؤ گے تو یقیناً یہ ایک استاد کی نافرمانی ہوگی اور اللہ آخرت میں تم سے نپٹ لے گا۔ اور یاد رکھو، کسی کتاب کی تلخیص کرنے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی اچھے بھلے آدمی کو پکڑ کر اس کے اعضا کاٹ دے۔ اس کے ہاتھوں کو شل کر دے، اس کے پاؤں بیکار کر دے، اس کی آنکھوں کا نور چھین لے، اس کے کان کاٹ دے۔ یا جیسے کوئی شخص کسی عورت کا زیور چھین کر اس کا حسن برباد کر دے یا کوئی آدمی کسی فوجی سے اس کا اسلحہ اور سواری وغیرہ چھین کر اسے بالکل نہتا کر دے۔(۱۵)

لیکن اس کے باوجود یاقوت حمویؒ کو اپنی کتاب معجم البلدان کے اختصار کی آزمائش سے دوچار ہونا پڑا، کیونکہ صفی الدین عبدالمومن بن عبدالحق البغدادیؒ (۷۳۹ھ) نے ''مراصد الإطلاع علی أسماء الأمكنة والبقاع'' کے نام سے اس کا اختصار کیا ہے۔ وہ اپنے اس کام کا عذر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کتاب ''معجم البلدان'' کو لکھنے کا مقصد تو یہ تھا کہ اس میں صرف ممالک اور مختلف علاقوں کی تاریخ ہوتی (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) لہٰذا یہ مناسب نہ تھا کہ اس میں کسی دوسرے علم کی آمیزش کی جاتی، کیونکہ اس سے ذہن منتشر ہوتا ہے۔ کان سننے سے انکار کرتے ہیں اور طویل کلام اکتاہٹ کا باعث ہوتا ہے۔ جس کے باعث طالب علم کماحقہ استفادہ نہیں کر پاتا۔ کچھ یہی حالت اس کتاب ''معجم البلدان'' کی تھی، لہٰذا میں نے اس کا اختصار کر دیا اور میں نے اس میں سے ان جگہوں کے نام جمع کر دیئے جو عموماً احادیث اور آثار میں ذکر ہوئے ہیں اور میں نے مصنف کی عائد کردہ شرط اور اختصار سے اس کی ممانعت کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ کیونکہ اس شرط کو ماننا ضروری نہیں تھا اور اختصار کے پیش نظر جو فائدہ کارفرما تھا، وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔''(۱۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختصار نویسی کی اقسام

اختصار نویسوں کے مختلف اغراض و مقاصد کے پیش نظر اختصار کی متعدد اقسام ہیں:

۱۔ کبھی اختصار کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی امام یا عالم کے بعض فتاوی کو اختصار کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا جاتا ہے یا اس کے افادات اور مختلف مسائل پر دیئے گئے جوابات کو کتاب کی صورت میں یکجا کر دیا جاتا ہے اس صورت میں مقصود کسی عالم کی مخصوص کتاب کا اختصار نہیں ہوتا، بلکہ اس کی تمام کتب یا بعض کتب یا اس کے دروس اور لیکچرز کا خلاصہ پیش نظر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اسماعیل بن یحییٰ مزنیؒ (۲۶۴ھ) اپنی ایک کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ میری یہ کتاب محمد بن ادریس الشافعیؒ کے علم کا خلاصہ ہے۔(۱۷)

۲۔ کبھی اختصار کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک سے زائد کتب کو سامنے رکھ کر ان سے مسائل کا استخراج کیا جاتا ہے، پھر انہیں ایک خاص ترتیب کے تحت کتاب کی شکل دے دی جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ کتاب مختلف کتب کے امہات مسائل کا ایک جامع مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ کام بہت بڑی اہمیت کا حامل اور اپنے اندر بے پناہ فوائد رکھتا ہے، کیونکہ آدمی اس میں بے شمار کتب اور مراجع کی طرف براہ راست رجوع کرتے ہوئے اخذ و تحصیل کرتا ہے۔ اس کی مثال ابن حاجب کی کتاب "**جامع الأمهات**" ہے۔ یہ کتاب فقہ مالکی کا خلاصہ ہے۔ مصنف نے اسے مالکی مذہب کی ساٹھ کتب کو سامنے رکھ کر مرتب کیا تھا۔(۱۸)

۳۔ اور کبھی کسی عالم کی کسی مخصوص کتاب کا اختصار کیا جاتا ہے، مثلاً اختصار نویس نے دیکھا کہ یہ کتاب نہایت ضخیم ہے۔ سوچا اس کا اختصار ہونا چاہئے یا کوئی دوسرا شخص انہیں توجہ دلاتا ہے کہ اس کتاب کا اختصار ہونا چاہئے۔ اس قسم کی مختصرات زیادہ مشہور اور عام پائی جاتی ہیں۔ تفسیر میں اس کی مثال، علاء الدین ابی الحسن علی بن محمد بن ابراہیم الخازنی (۷۴۱ھ) کی کتاب: "**لباب التأويل فی معانی التنزيل**" ہے۔ یہ ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی (۵۱۰ھ) کی کتاب "**معالم التنزيل**" ا اختصار ہے اور بغوی کی تفسیر، ابی اسحق احمد بن محمد الثعلبی (۴۲۷ھ) کی کتاب "**الكشف والبيان عن تفسير القرآن**" کا اختصار ہے۔

۴۔ کبھی یوں ہوتا ہے، اختصار تو کسی مخصوص کتاب کا ہی کیا جاتا ہے، لیکن اختصار کرتے ہوئے، اصل کتاب کی تمام مباحث، اس کے طریق کار اور تبویب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ اختصار کا کسی دوسری کتاب سے بالکل تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ مصنف اسے ابتداء سے تالیف کرتا ہے۔ اس کو مختصر اس لئے کہا جاتا ہے، کیونکہ کتاب کی عبارات نہایت مختصر ہوتی ہیں۔ یوں کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے معانی سمو جائیں۔ اس کو آپ متن سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال فقہ حنبلی میں ''**مختصر الخرقی**''، فقہ مالکی میں ''**مختصر خليل بن اسحاق الجنيدی**'' اور فقہ حنفی میں ''**مختصر أبي الحسين احمد بن محمد القدوری**ؒ'' ہے۔

اختصار نویسوں کی اقسام

۱۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ مؤلف بذات خود ہی اختصار کرتا ہے۔ وہ یوں کہ مؤلف خود ہی ابتدا سے ایک کتاب تالیف کرتا ہے پھر مختلف مقاصد کے پیش نظر اس کا اختصار کر دیتا ہے۔ مختصرات کی یہ قسم حسن ونفاست میں نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور اصل کتاب کے زیادہ قریب ہوتی ہے، کیونکہ یہاں اختصار کرنے والا مؤلف خود ہے وہ اپنی کلام کے مقاصد اور اس کے حسن وقبح کو خوب سمجھتا ہے۔

اس نوع کی تالیفات بکثرت ہیں۔ تفسیر میں اس کی مثال امام سیوطیؒ کی کتاب ''**الدر المنثور**'' ہے۔ یہ ان کی اپنی ہی کتاب ''ترجمان القرآن'' کا اختصار ہے۔ اختصار میں انہوں نے اصل مخرج کا حوالہ دیتے ہوئے صرف احادیث اور آثار کے متن کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے اور سندوں کو حذف کر دیا ہے۔ اس نوع کی دوسری مثال امام ذہبی کی کتاب ''**الكاشف في رجال الكتب الستة**'' ہے، انہوں نے اس کو اپنی کتاب ''**تذهيب تهذيب الكمال**'' سے اختصار کیا ہے۔ فقہ حنفی میں اس طرز کی مختصر کتاب ''الدر المختار شرح تنویر الأبصار'' ہے۔ یہ کتاب علاء الدین محمد بن علی الحصکفی کی ہے اور یہ ان کی اپنی ہی کتاب ''**خزائن الأسرار و بدائع الأفكار في شرح تنوير الأبصار و جامع البحار**'' کا اختصار ہے۔(۱۹) اور فقہ شافعی میں اس طرز کی کتاب ''**الوسيط في المذهب**'' ہے۔ یہ امام محمد بن محمد الغزالی کی ہے اور اس میں انہوں نے اپنی کتاب ''**البسيط في المذهب**'' کا اختصار پیش کیا ہے۔

۲۔ کبھی اصل کتاب کے مؤلف کا شاگرد یا اس کا کوئی ہم عصر اور ہم درس اس کی کتاب کا اختصار کرتا ہے۔ یہ صورت عمدگی اور نفاست میں دوسرے نمبر پر ہے۔ تفسیر میں اس کی مثال ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی ۷۰۱ھ کی کتاب ''**مدارک التنزيل و حقائق التاويل**'' ہے۔ یہ کتاب قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی ۶۹۱ھ کی کتاب ''**أنوار التنزيل و أسرار التأويل**'' اور امام زمخشری کی کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''الکشّاف'' اور ابی عبداللہ بن محمد بن السنوسی الحسینی ۸۹۵ھ کی کتاب ''مکمل إکمال الإکمال فی شرح مسلم'' تینوں کا اختصار ہے اور ''مکمل إکمال الإکمال'' یہ عبداللہ محمد بن خلیفہ الوشنانی الأبی (۸۲۷ھ) کی کتاب ''إکمال إکمال المعلم'' کا اختصار ہے۔

۳۔ کبھی مؤلف کے زمانہ سے بعد کا کوئی عالم اس کی کتاب کا اختصار کر دیتا ہے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔

اختصار کے اغراض ومقاصد اور فوائد

۱۔ بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ کتاب کو یاد کرنا اور اس کے مسائل کو از بر کرنا آسان ہو جائے، کیونکہ ضخیم کتب کو حفظ کرنا ناممکن ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ کتاب کو سمجھنا اور اہم مسائل کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا آسان ہو جائے، کیونکہ مختصر کتاب کی حیثیت ایک شارٹ نوٹس کی ہوتی ہے جس میں تکرار، غیر ضروری تفصیلات و تفریعات اور اکتا دینے والی طوالت کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ جن کی وجہ سے اکثر و بیشتر طالب علم اہم اور ضروری مسائل کو بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ طویل سے طویل عبارت کا نتیجہ اگر چند فقروں میں سمو دیا جائے تو قاری کے لئے بڑی آسانی پیدا ہو جائے گی۔

۳۔ پھر اختصار سے کتاب کی ضخامت کم ہونے کی وجہ سے اسے سفر وغیرہ میں ساتھ لے جانا آسان ہوتا ہے۔ کئی جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب کی تلخیص اگر ایک جلد میں ہو جائے تو نہ صرف اس کو اٹھانا آسان ہے، بلکہ انسان کافی زیادہ وقت بھی پس انداز کر سکتا ہے۔ بعض کتب اتنی طویل ہوتی ہیں کہ عمر بھر بھی ختم نہیں ہو سکتیں اور جو شخص وقت کی قدر و قیمت جانتا ہے، وہ مختصرات کی اہمیت کا بخوبی ادراک کر سکتا ہے۔

۴۔ اختصار کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ موضوع روایات، عقائد فاسدہ اور شاذ اقوال کو اصل کتاب سے نکال باہر کیا جائے۔ یا ان کی نشاندہی کر دی جائے۔ اور اختصار کا سب سے اہم مقصد اصل کتاب کے مواد کی نوک پلک سنوارنا، اسے غلطیوں اور حشو و زوائد سے پاک کرنا اور اس کے الفاظ کو کم کرنا کہ کم از کم الفاظ میں زیادہ سے معانی آ جائیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ اختصار نویس اپنے قلم کو بے مہار چھوڑ دے، جہاں چاہے قطع و برید کرتا پھرے، بلکہ اختصار کے کچھ قواعد ہیں، بعض ضابطے ہیں، جن کا آئندہ سطور میں تذکرہ ہوگا، انہیں پیش نگاہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ان قواعد وضوابط سے قطع نظر ہو کر وادی اختصار میں قدم رکھنا یقیناً علمی بد دیانتی کے مترادف ہوگا۔

۷۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ اختصار نویس اصل کتاب کے مصنف سے علم میں بڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ مختصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب اصل کتاب سے زیادہ مفید اونفع رساں ہوتی ہے۔ اس کی مثال امام بغویؒ کی تفسیر معالم التنزیل ہے یہ اگر چہ امام ثعلبیؒ کی تفسیر کا اختصار ہے، لیکن مقام ومرتبہ کے لحاظ سے اصل کتاب سے برتر ہے، اس لئے کہ امام بغویؒ نے اختصار کرتے ہوئے ان تمام موضوع روایات اور من گھڑت حکایات کو نکال دیا ہے، جن سے امام ثعلبیؒ کی تفسیر بھری ہوئی تھی۔ امام ثعلبیؒ کا حدیث کے بارے میں علم کچھ زیادہ نہ تھا جس کی وجہ سے بے شمار موضوع روایات اور باطل حکایات اور قصے ان کی تفسیر میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

> ''اگر چہ امام بغویؒ کی تفسیر امام ثعلبیؒ کی تفسیر کا نصف ہے، لیکن انہوں نے اپنی تفسیر کو موضوع احادیث اور من گھڑت نظریات سے پاک کر دیا ہے۔''(۴۰)

اختصار نویسی کے عیوب ونقائص

اگر تالیفات کا اختصار اپنے اندر فوائد رکھتا ہے تو فی الجملہ یہ عیوب ونقائص سے بھی خالی نہیں ہے۔ خصوصاً اس وقت جب اختصار نویس اس قدر اہلیت کا حامل نہ ہو کہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکے۔ اب اختصار کے نقصانات ملاحظہ فرمائیے:

اَ۔ اختصار کرتے ہوئے بے شمار لفظی محاسن، تراکیب اور جملے حذف ہو جاتے ہیں اور تشبیہ کی مختلف صورتوں اور ضرب الامثال کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ تمام چیزیں کتاب کی جان ہوتی ہیں۔ کتاب کو حسن سے مالا مال کرتی ہیں۔ اس کے مسائل کی وضاحت کرتی ہیں۔ قاری کے ادبی اور علمی ملکہ کو بڑھاتی ہیں۔

ب۔ پھر اس میں احادیث کے مختلف طرق حتیٰ کہ کتب احادیث کی سندوں کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے، جس سے کتاب ایک بہت بڑے قیمتی علمی ورثہ سے محروم ہو جاتی ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ مختصر کتاب اس قدر شہرت حاصل کر لیتی ہے کہ لوگ اصل کتاب کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کتاب سندوں سے خالی ہو گی تو یقیناً حدیث پر حکم لگانا ناممکن ہو گا۔

ج۔ پھر یہ بات تو مسلمہ ہے کہ آپ بیان میں جس قدر اختصار کریں گے، اسی قدر اس کی عبارات، الفاظ، دقیق الفہم اور مغلق ہوتے جائیں گے اور ان کو حل کرنا نہایت مشکل ہو گا۔ بلکہ بعض مختصرات کو تو شروحات کے بغیر سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ انسان جس چیز کو خوب سمجھتا ہے، اسے حفظ کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ اور پھر کتاب کو سمجھنا اس کو حفظ کرنے سے زیادہ ضروری ہے اور جب کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب کو سمجھنا اور یاد کرنا مشکل ہی ہو جائے تو پھر آخر اس کو تصنیف کرنے کی کیا غرض و غایت باقی رہ جاتی ہے؟

د۔ پھر اگر اختصار نویس کو کسی خاص فن میں تخصص حاصل ہے تو وہ اختصار کرتے ہوئے اسی فن کا زیادہ اہتمام کرے گا جس میں اسے مہارت حاصل ہے۔ اگر اختصار کرنے والا لغت کا ماہر ہے تو اس کی زیادہ توجہ لغوی پہلوؤں پر مرکوز ہوگی، جس سے دوسرے پہلو تشنہ رہ جائیں گے۔ اور جب اختصار کرنے والا فقیہ ہوگا تو اس کا زیادہ زور فقہی پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں صرف ہوگا اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کتاب اختصار نویس کے مذہبی میلان اور فقہی ترجیحات کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔

ھ اس کے علاوہ کتاب گراں قدر علمی نکات اور فنی لطائف سے محروم ہو جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے تاریخی واقعات کو حذف کر کے صرف بڑے بڑے واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے اور ناموں کو حسب و نسب اور واقعات سے کاٹ کر مختصر کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔ جس سے نام کو پہچاننے میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔

و۔ اختصار شدہ کتاب کا مواد Text ابہام و غموض سے خالی نہیں ہوتا اور ایک نو آموز طالب علم کے لئے یہ خاصی تشویش اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔

ز۔ تالیفات کا اختصار کرنے اور مختصرات کی طرف بکثرت رجوع کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مبسوط کتب سے متعلّم کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور موجودہ دور میں طلبہ کی اکثریت اس رجحان سے دوچار ہے۔ اگر کسی وجہ سے انہیں اصل کتب کی طرف رجوع کرنا پڑ جائے تو اکثریت پریشان ہو جاتی اور عبارات ہی ان کے گلے کی ہڈی بن جاتی ہیں اور اکثر اصطلاحات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ جب طلباء کی اکثریت نوٹس Notes پر انحصار کر کے بیٹھ جائے گی جو اکثر قلیل مواد، غیر موزوں اور ناشائستہ اسلوب اور سطحی موضوعات کے حامل ہوتے ہیں تو یقینی بات ہے کہ طالب علم امہات کتب کی طرف کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔

ح۔ پھر تالیفات کے اختصار میں وقت صرف کرنا محض وقت کا ضیاع ہے۔ اس کی بجائے یہ وقت تصنیف و تالیف اور تجدیدی کام میں صرف ہونا چاہئے۔ متقدمین نے جو علمی اندوختہ چھوڑا ہے اس پر مزید اضافہ ہونا چاہئے تاکہ نئے علمی حقائق، نکات، ناقدانہ بحثیں اور جدید اصولی مباحث سامنے آسکیں۔

ط۔ بعض اوقات اختصار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مختصر کتاب اصل کتاب کے ساتھ اس طرح ضم اور گڈمڈ ہو جاتی ہے کہ وہ دونوں ایک چیز بن جاتی ہیں اور وہ کتاب مختصر نویس کے نام سے مشہور ہو جاتی ہے اور اصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب کے مصنف کی ساری محنت پردہ خفا میں چلی جاتی ہے اور یہی علمی بدعنوانی اور بد دیانتی ہے۔ یہ گویا کسی کی خوبی پر پردہ ڈالنے اور اس کا کریڈٹ ایسے شخص کو دینے والی بات ہے جو اس کا مستحق نہیں تھا۔ ضروری ہے کہ اصل کتاب کا تحفظ کیا جائے اور اس کی نسبت اس کے اصل مصنف کی طرف ہی ہونی چاہئے۔ اس علمی بدعنوانی کی ایک مثال میں آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں۔ امام صنعانیؒ کی کتاب ''سبل السلام شرح بلوغ المرام'' ایک مشہور ومعروف اور متداول کتاب ہے۔ لیکن آپ کو یہ سن کر حیرانی ہوگی کہ ''بلوغ المرام'' کی اصل شرح قاضی شرف الدین الحسین بن محمد المغربی الیمانی کی کتاب ''البدر التمام'' ہے اور ''سبل السلام'' اس کا اختصار ہے۔ لیکن ''سبل السلام'' کے بیشتر قارئین اصل کتاب اور اس کے مصنف کے نام سے بھی واقف نہیں ہوں گے، تو کیا ''سبل السلام'' کو ''بلوغ المرام'' کی شرح قرار دینا اصل حقدار کو اس کے حق سے محروم کرنے کے مترادف نہیں ہوگا؟

اختصار کے قواعد وضوابط

علماء کرام کی کتب اور تالیفات ہمارے لئے ایک چراگاہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور ان کی محنت، ان کے لئے ایک محفوظ حق ہے۔ کسی کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اس حق پر ڈاکہ زنی کرے یا اس سے ناجائز فائدہ اٹھائے۔ یہ ہمارے پاس علمی امانت ہے۔ اور علمی امانت میں خیانت کرنا یقیناً فرض امانت میں خیانت کے مترادف ہوگا ۔ پھر کسی کی فضیلت کے اعتراف میں بخل سے کام لینا کہاں کا انصاف ہے۔ کسی محنت کو غیر کی طرف منسوب کرنا کیا ظلم نہ ہوگا؟ آج کچھ لوگوں پر علماء کی کتب کو مختصر کرنے کا جنون سوار ہے۔ وہ ایسے کام پر پل پڑے ہیں جس کو وہ بخوبی انجام نہیں دے سکتے۔ وہ دوسروں کی تلوار سے شکار کرنا چاہتے ہیں اور چوری کے کپڑوں میں سردی سے پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔

ایسے لوگوں کا یہ کام اختصار نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے کوئی علمی پیش رفت کہا جا سکتا ہے، بلکہ ان کا یہ کام کسی چیز کو بگاڑنے اور ملمع سازی کے مترادف ہوگا۔ یہ لوگ دوسروں کی تصانیف سے وہ سلوک کرتے ہیں جو قصاب قربانی کے بکرے سے کرتا ہے۔ دوسروں کی تصانیف کو اپنی قلم کاری کا تختۂ ستم بناتے ہیں۔ راجح اقوال کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور واضح حقائق کو مسخ کرتے ہیں اور اختصار کرتے ہوئے وہ عجوبے چھوڑتے ہیں جس کا اختصار اور اصل کتاب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اختصار کے پردے میں اسلاف کے عقائد میں ہیر پھیر کرتا ہے۔ کبھی صحیح کو ضعیف کہتا ہے تو کبھی ضعیف کو صحیح قرار دیتا ہے۔ اسے مؤلف کی عزت وحرمت کا پاس ہوتا ہے نہ اس کے حقوق کی حفاظت کا خیال۔ تو کیا اس کی اس علمی بد دیانتی کو اختصار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نام دیا جاسکتا ہے؟

اختصار نویسی کے کچھ قواعد وضوابط ہیں کہ اگر انہیں پیش نظر نہ رکھا جائے تو اس اختصار کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ ہوگا۔ درج ذیل اصول واضوابط کی روشنی میں اختصار نویسی کے عیوب ونقائص سے کافی حد تک بچا جاسکتا ہے۔

۱۔ اختصار نویس کے لئے اپنے اس کام میں مخلص ہونا بنیادی شرط ہے۔ مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ مصنّفین کی صف میں شامل ہونے کا یہ بڑا آسان طریقہ ہے، بلکہ اس کے پیش نظر انسانیت کی بھلائی ہونا چاہیے۔

۲۔ وہ اختصار کرتے ہوئے، اصل کتاب کے تمام مسائل اور فوائد کا احاطہ کرے اور صرف تکرار اور غیر ضروری تفصیل وتوضیح کو حذف کیا جائے تا کہ اختصار سے کسی قسم کوئی کمی محسوس نہ ہو۔

۳۔ دقیق الفہم اور گنجلک عبارات کو سہل، شستہ اور رواں زبان میں ڈھال دیا جائے، لیکنان مفاہیم اور معانی کا تحفظ کیا جائے جو مصنف کا اصل مقصود ہے۔

۴۔ ایسے مقامات جہاں ضمائر کا مرجع معلوم کرنے میں دشواری ہو تو اس کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ کئی مختلف جگہوں، اشخاص اور راویوں کا نام ایک ہی ہوتا ہے۔ جہاں اس قسم کا اشکال یا ابہام پیدا ہو تو نہایت اختصار مگر واضح انداز سے اس اشکال یا شبہ کا ازالہ کر دیا جائے۔

۵۔ اختصار کرتے ہوئے اصل کتاب کے بنیادی دلائل اور مصنف کے افکار سے کس قسم کا تعرض نہ کیا جائے اور ایسے واقعات کو حذف کر دیا جائے جن کی بنیاد ایسے مفروضوں پر قائم ہو جو نادر الوقوع ہوں یا ان کا ہونا عقل سے بعید ہو۔

۶۔ ایسے شاذ اور منفرد اقوال جن کا شذوذ اور تفرد نہایت واضح ہو اور وہ خود ساختہ آراء جن کا خطرہ نہایت عیاں ہو، انہیں حذف کر دیا جائے۔ اور یہ کتاب کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود معاشرہ کی اصلاح، اسے برائی سے روکنا اور مسلمانوں کی خیر خواہی ہے۔ لیکن مصنف کی ذاتی آراء میں کسی قسم کی تحریف نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جائے جو اس نے نہیں کہی، خواہ وہ رائے درست اور مبنی بر حق ہو۔ عدل کا تقاضا بہر حال یہ ہے کہ کوئی ایسی بات خود نہ تراشی جائے جو مصنف کے قلم سے نہیں نکلی اور کوئی ایسا مسلک اس کی جانب منسوب نہ کیا جائے جو اس نے اختیار نہیں کیا۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض اختصار نویس اپنے مذہب کی تائید اور اہل حق افراد میں اضافہ کی نیت سے یہ طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ اگر چہ یہ مقصد نیک ہے، لیکن اس کی خاطر اس جیسے قبیح عمل کو جو سراسر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھوٹ پر مبنی ہو اسے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ برائی کو برائی سے ختم نہیں کیا جاسکتا اور حق اور اہل حق سے خیر خواہی رکھنے والوں کو مطمئن رہنا چاہیئے، یقیناً اللہ ان کی قلت کو کثرت میں تبدیل کرے گا۔

۸۔ پھر اختصار و ایجاز میں اس قدر مبالغہ آرائی نہیں ہونی چاہیئے کہ کلام نا قابل فہم ہو جائے، کیونکہ اس سے وہ مقصد فوت ہو جائے گا جو مختصر نویس کے پیش نظر تھا۔ طویل عبارت کو اختصار کے چکر میں الجھاؤ اور گنجلک پن کی بھینٹ چڑھا دینا کوئی مفید اقدام نہ ہوگا۔

۹۔ اختصار کے لئے ایسی بلند پایہ کتب کا انتخاب ہونا چاہیئے جن کا اختصار کثیر فوائد کا متحمل ہو اور وہ عام و خاص سب کے لئے یکساں مفید ہو۔

۱۰۔ پیش نظر کتاب کا اختصار کرتے ہوئے اس کے ضروری مباحث و مقاصد کا تعین اس لئے ضروری ہے کہ کہیں وہ کسی اہم اور بنیادی بات کو حذف کر کے مصنف کی اصل غرض و غایت میں خلل اندازی اور کتاب کے ضروری اور زائد حصہ کو باہم گڈمڈ نہ کر دے۔ مثال کے طور پر حدیث کی مسند کتب (وہ کتب جنہیں مصنف نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے) جو زیادہ مشہور و معروف نہ ہوں اور نہ ہی ان کے متعدد نسخے ہوں تو ایسی کتب کی اسانید کو حذف کے صرف متون پر اکتفا کرنا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کتاب فن رجال (رواۃ) کے بارے میں ہے تو یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ راوی کی ذاتی سیرت، اس کا حسب ونسب اور لقب اور پیشہ تو ذکر کر دیا جائے، لیکن علم حدیث میں اس کا حکم اور روایت حدیث میں اس کے مقام و مرتبہ کو حذف کر دیا جائے۔ اسی طرح اختصار نویس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس کتاب کا اختصار کرنا چاہتا ہے اس پر اس کی وسیع نظر ہو اور دقت نظری سے اس کا جائزہ لے سکتا ہو، کیونکہ اختصار کا مقصد صفحات کو کم کرنا یا زیادہ جلدوں سے نجات حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ مقصد اسے مفید عام بنانا ہے۔

۱۱۔ اصل کتاب کی نسبت اس کے مصنف کی طرف ہونی چاہیئے اور مختصر کتاب کے عنوان اور مقدمہ دونوں میں، یا کم از کم مقدمہ میں اس کا نام ضرور ہونا چاہیئے، وگرنہ اصل کتاب اور اس کے مصنف کا نام اور اس کا کام طاق نسیان میں چلا جائے گا، حالانکہ اصل کاوش تو اسی کی ہے۔

۱۲۔ پھر اصل کتاب کی ترتیب اور سیاق میں بلاوجہ کسی طرح کی تبدیلی بھی روا نہیں ہے۔ کیونکہ یہی درحقیقت کسی کی کتاب کو اپنی طرف منسوب کرنے کا حیلہ ہوتا ہے۔ مقدم کو موخر کیا اور موخر کو مقدم کیا اور سیاق میں ہیر پھیر کی اور کتاب کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ یہ تبدیلی اسے اس بددیانتی کا جواز فراہم نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر سکتی۔ ہاں اگر اس کا مقصد کتاب کے مسائل ومباحث تک پہنچنے میں سہولت ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں کتاب کے آخر میں ایک تفصیلی فہرست لف کر دے۔

۱۳۔ اختصار نویس اولاً کتاب کے متعلق اپنے کام کی نوعیت واضح کرے۔ پھر یہ بتائے کہ اختصار میں اس کا طریقہ کار اور منہج کیا ہوگا، تاکہ یہ حکم لگانا ممکن ہو سکے کہ آیا اس کا یہ کام درست ہے یا غلط اور اس کے بعد وہ اپنی خطا کا خود ذمہ دار ہو۔ اصل مصنف کو اس کی غلطی کا ذمہ دار نہ ٹھہرا جا سکے۔ نیز وہ واضح کرے کہ وہ کن وجوہات کی بناء پر اس کتاب کا اختصار کرنا چاہتا ہے۔

۱۴۔ اختصار نویس کے ضروری ہے کہ وہ اصل کتاب کی خامیوں اور نقائص، نامکمل عبارات اور تشنہ مباحت کو مکمل کرتے ہوئے خوب تحقیق کرلے کہ کہیں وہ اصلاح کرتے ہوئے خود تو غلطی کا مرتکب نہیں ہو رہا۔

۱۵۔ اختصار نویس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اختصار کرتے ہوئے اصل کتاب کی امتیازی خصوصیات جو اسے دیگر کتب سے ممتاز کرتی ہیں، کی حفاظت کرے۔ اگر اختصار نویس نے نے کتاب کی ان نمایاں خوبیوں اور امتیازی خصوصیات کی حفاظت نہ کی تو گویا اس نے کتاب کے جواہر پاروں کو اپنے اختصار کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اگر اختصار نویس میں اس کام کو کرنے کی اہلیت وقابلیت نہیں ہے تو اس کے در پے نہ ہو کیونکہ تالیف وتصنیف اوراق سیاہ کرنے اور وقت پاس کرنے کا نام نہیں ہے۔

۱۷۔ کتاب کے اصل مصنف کو مذمت کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ اس کی حیثیت اور مقام کو کم کرنے کی کوشش نہ کی جائے، نہ ہی اس کی کتاب کو محض تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ اس کے منہج کا ااستخفاف اور اس کے طریقہ کار کی عیب جوئی نہ کی جائے۔ اس کی کتاب کی خوبیوں اور خصوصیات کو بھی بیان کرے۔ اگر اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہوئی ہے تو تنقید میں عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

۱۸۔ اختصار نویس اختصار کرنے سے قبل مصنف کے منہج اور طریقہ کار کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کرے۔ اس طریقہ سے وہ مصنف کی تالیف کے بنیادی مقاصد تک آسانی سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

۱۹۔ اختصار کرنے سے پہلے اصل مسودہ کی خوب چھان بین کرے۔ خواہ وہ نسخہ طبع شدہ ہو یا مخطوطہ کی شکل میں ہو۔ اگر کتاب کے ایک سے زائد نسخے ہوں تو ان کا باہمی تقابل اور موازنہ کرے اس لئے کہ اختصار صرف اصل کتاب کی قطع برید کا نام نہیں ہے بلکہ کتاب کو مکمل کرنا اور اس کے نقائص اور خامیوں کو دور کرنا بھی اختصار کے فرائض میں شامل ہے۔

یہاں ایک بات پیش نظر رہے کہ متن اور شرح دونوں میں اعتدال اور میانہ روی کا دامن ہاتھ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوٹنے نہ پائے۔ نہ تو متن میں اس قدر ایجاز واختصار ہو کہ وہ نا قابل حل معمہ بن جائے اور نہ شرح میں اس قدر افراط ہو کہ جا بجا اس پر غیر موزونیت اور بودے پن کا گمان ہونے لگے۔ امام سیوطیؒ نے اس سلسلے میں نہایت عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''ایک مؤلف کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ تو ایجاز واختصار میں اس قدر مبالغہ آرائی سے کام لے کہ عبارت نہایت گنجلک اور پیچیدہ بن جائے اور نہ تشریح وتوضیح میں اس قدر افراط سے کام لے کہ کلام میں لچر پن کا احساس ہو۔ اور تالیف میں اس قدر اہتمام کرے کہ متاخرین میں سے کسی نے اس قدر اہتمام نہ کیا ہو۔'' (۲۱)

ان اصول وقواعد کو سامنے رکھتے ہوئے جب کوئی مصنف قلم اٹھائے گا تو ایسا اختصار سامنے آئے گا جو مکمل تاثر اور ابلاغ رکھتا ہوگا اور اس کے ارتقا میں ایک ایسی صنفِ سخن واظہار آگے بڑھے گی جو ایک جملے میں مکمل اور خوبصورت تاثر پڑھنے والے کے ذہن میں مرتسم کر دے گی۔ اور جہاں طوالت سے گریز قاری طویل سے طویل عبارت کا نتیجہ چند فقروں میں حاصل کر لے گا، وہاں ان اختصاریوں میں آپ کو جگہ جگہ ذہانت، برجستگی اور تخلیقی فکر کے شہ پارے بھی نظر آئیں گے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد: مقدمة ابن خلدون، ۱/۳۴۱، ۳۴۲، تحقیق عبداللہ محمد الدرویس، دار البلخی، دمشق، الطبعة الأولٰی، ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء

۲۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ چلپی: کشف الظنون: ۱/۳۵، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۳۔ ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی: لسان العرب ۴/۲۴۰، دار صادر، بیروت، الطبعة الاولی

۴۔ البہوتی، منصور بن یونس: مقدمہ الروض المربع شرح زاد المستنقع فی اختصار المقنع: ص ۱۱، تحقیق: سعید محمد اللحام، دار الفکر، بیروت، لبنان

۵۔ محمد الشربینی الخطیب: مغنی المحتاج إلی معرفة معانی الفاظ المنہاج ۱/۲۳، مکتبہ ومطبعة البابی الحلبی وأولادہ، مصر

۶۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن: الجامع الصغیر ۱/۶/۱۷، دار الفکر للطباعة والنشر، بیروت ☆ المتقی الہندی، علی بن حسام الدین: کنز العمال ۱۶/۱۴۷، مؤسسة الرسالہ، بیروت ۱۹۸۹ء

۷۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن: فتح المغیث شرح الفیة الحدیث: ۲/۲۵۱۔۲۵۳، ، دار الکتب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العلمیۃ، لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۳ھ

۸۔ محمد بن عبدالرزاق، کردعلی: خطط الشام ۴۹/۴، مکتبہ النوری، دمشق، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۳ھ۔۱۹۸۳ء

۹۔ یاقوت بن عبداللہ الحموی، مقدمہ معجم البلدان ۱۸/۱، دار إحیاء التراث العربی ، بیروت، لبنان ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء

۱۰۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد: مقدمۃ ابن خلدون، ۳۴۶/۱

۱۱۔ السبکی، تاج الدین عبدالوہاب بن علی رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب ۲۲۹/۱، عالم الکتب، بیروت ۱۹۹۹ء، ۱۴۱۹ھ، الطبعۃ الأولیٰ

۱۲۔ النووی، ابوزکریا یحی بن شرف: منہاج الطالبین ۷/۱۔۸، تحقیق: عوض قاسم احمد عوض، دار الفکر، الطبعۃ الأولیٰ ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۵ء

۱۳۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن :مقدمۃ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۹/۱، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۳ء

۱۴۔ مقدمہ معجم البلدان ۱۷/۱

۱۵۔ مقدمہ معجم البلدان ۱۷/۱

۱۶۔ عبدالمؤمن بن عبدالحق، ابن شمائل القطیعی :مراصد الإطلاع علی أسماء الأمکنۃ والبقاع، دار الجیل، بیروت، الطبعۃ الأولیٰ ۱۴۱۲ھ

۱۷۔ المزنی، إسماعیل بن یحی: مختصر المزنی، ص ۱، دارالمعرفۃ، بیروت

۱۸۔ مقدمہ بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب، ص:۱۳، ڈاکٹر محمد مظہر بقا، مرکز البحث العلمی وإحیاء التراث العلمی، مکۃ المکرمہ، الطبعۃ الأولیٰ ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶ء

۱۹۔ کتابۃ البحث العلمی ومصادر الدراسات الإسلامیہ، ص ۳۴۴، دار الشروق، جدہ، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۶ء۔۱۹۸۶ء

۲۰۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم :الفتاوی الکبریٰ، ۳۴۳/۴، دراسۃ وتحقیق: حسین محمد مخلوف، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء

۲۱۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن: تدریب الراوی ۱۵۶/۲، تحقیق: عبدالوہاب عبداللطیف، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of the
Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.109, 2017 pp 73 - 84

مجلہ تحقیق
مجلّہ کلیۂ علومِ شرقیہ
جلد ۳۸، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۹

ہوچی منھ کا ویت نام

☆ڈاکٹر آصف علی چٹھہ

Abstract:

Vietnam, is the Easternmost country on the Indo-china Peninsula in Southeast Asia. Following a Japanese occupation in the 1940s, The Vietnamese fought French rule in the first Indo-china war. On 2 Sep 1954 President Hochi Minh declared Vietnam's independence form French under the new name of the Democratic Republic of Vietnam. There after Vietnam was divided politically into two rival states, North Vietnam and South Vietnam. Conflict between the two sides intensified in what is known as the Vietnam war, with heavy intervention by the United States on the side of the South Vietnam from 1965 to 1973. The war ended with a North Vietnam Victory in 1975. Hochi Minh was the principal force behind the Vietnamese struggle for independence.

ویت نام جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہے اور اس کی حدود چین، لاؤس اور کمبوڈیا کے ساتھ ساتھ خلیج تھائی لینڈ، خلیج ٹونکن اور بحیرہ جنوبی چین سے ملتی ہیں۔

ویت نام کم و بیش اسی سال تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رہا اور 1945ء میں جاپان فرانس جنگ کے نتیجے میں فرانس سے آزادی حاصل ہوئی۔ فرانس کی شکست کے بعد ویت نام دو حصوں شمالی ویت نام اور جنوبی ویت نام میں تقسیم ہو گیا۔ 1956ء میں جنوبی ویت کے وزیراعظم اینگوڈن ڈائم نے شمالی اور جنوبی حصے کے مشترکہ الیکشن کرانے سے انکار کر دیا۔ اس کے اس عمل کو امریکی آشیر باد حاصل تھی۔ شمالی ویت نام (ہوچی منھ کی زیر قیادت) نے جنوبی ویت نام کو اپنے ساتھ متحد کرنے کے لیے فوجی طاقت استعمال کرنے کا فیصلہ کیا

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یوں ویت نام کی جنگ چھڑ گئی جو 1975ء تک جاری رہی امریکہ نے اس جنگ میں جنوبی ویت نام کی بھر پور مدد کی اور اپنی فوجیں اور اسلحہ ویت نام کی جنگ میں جھونک دیا۔ بالآخر امریکہ دم دبا کر بھاگ گیا اور 30 اپریل 1975ء کو جنوبی ویت نام نے شمالی ویت نام کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

اس دوران میں جنوبی ویت نام کے ادیبوں اور شاعروں نے اس مجبور و مقہور مگر زندہ قوم کو حوصلہ مندی کا درس بھی دیا اور ظلم کے خلاف برسرِ پیکار رہنے کا گر بھی سکھایا۔ ویت نام کے لوگوں نے دنیا پر یہ ثابت کیا کہ اگر جذبے صادق اور جواں ہوں تو فرانس، جاپان اور امریکہ جیسی دنیا کی عظیم طاقتوں کو بھی شکست سے دو چار کیا جا سکتا ہے۔

ویت نام کے شاعر تو ہو کی نظم ''خون اور شگوفے'' پوری ویت نامی قوم کے جذبوں کی عکاسی کرتی ہے جو وطن عزیز کی آزادی کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار تھی۔ رجائیت سے مزین اور جذبوں سے مسلح یہ آواز کتنی دلکش ہے۔

ہم اپنی مادرِ وطن کے لیے
اپنی جان اپنا سب کچھ
بڑی خوشی کے ساتھ
قربان کر دیں گے
یہ جھنڈا ہمارا لہو
اور ہمارا گوشت پوست
ہم انسان ہیں
ہم بکنے کے لیے نہیں ہیں
اے غلیظ بھیڑیو!
تمہارا یومِ حساب آ پہنچا ہے
ہمیں ہمارا ملک عظیم
واپس دو اور ہم تمہاری قبروں کے لیے
بموں کے خول دے دیں گے۔(۱)

تھی بون کی شاعری نے بھی سامراج کے خلاف طویل جنگ میں اپنی قوم کو زندہ و بیدار اور قوی رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تھی بون جیسے جوان مرد شاعر قوموں کے اندر موجود ہوں تو ان کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ مردانگی اور جرات و استقامت سے مملو یہ شاعری ویت نام کا عظیم اثاثہ ہے۔

ایک دن
میرے ہاتھ دوسرے ہزاروں ہاتھوں کے ساتھ مل کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک زنجیر بنائیں گے
ہم زمین سے ابھر کر
آسمان کی جانب روانہ ہوں گے
ہماری بندوقیں دشمن کی سرزنش کریں گی
اسے زمین کی نیچے
ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا جائے۔(۲)

ویت نام کی طویل جنگ میں شمالی اور جنوبی ویت نام کے ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ اس کے ذمہ دار جنوبی ویت نام کے کرپٹ حکمران تھے جنھوں نے اپنے قوم کو ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا اور امریکہ کو اپنی قوم پر ظلم کی کھلی چھٹی دی۔ مین دک۔ تھانگ کا ایک مقبول گیت اس مفاد پرست بے حس معاشرے کی خوب ترجمانی کرتا ہے۔

اکثر راتوں کو
میں اپنے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے
سرگوشیوں میں اس سے کہتی ہوں
سو جا، سو جا، میرے بیٹے
جب تم جوان ہو جاؤ گے تو
تم اپنے ملک کو بیچ دو گے
ایک امیر آدمی بننے کے لیے۔(۳)

جب جاپان نے ویت نام پر حملہ کیا تو فرانس اس پر قابض تھا۔ فرانس کی شکست کے نتیجے میں جہاں ویت نام آزاد ہوا وہیں دو حصوں شمالی ویت نام اور جنوبی ویت نام میں تقسیم ہو گیا۔ جنوبی ویت نام کی سرپرستی امریکہ کر رہا تھا۔ چنانچہ شمالی ویت نام اور جنوبی ویت نام میں 1975ء تک جنگ ہوتی رہی۔ اس کے بعد ویت نام دوبارہ متحد ہو گیا۔ لیکن اس طویل جنگ میں دونوں طرف کے عوام نے غم والم کے ایک طویل دریا کو عبور کیا۔ جنگ بندی کے بعد وہاں کے شاعروں نے امن ومحبت کے خواب دیکھے تا کہ آئندہ آنے والی نسلیں امن اور سکون کی زندگی بسر کر سکیں ویت نامی شاعرہ ہاتھائی تھاڈ کی ایک نظم میں ایسے ہی خوابوں کا تانا بانا موجود ہے۔

پوچھتے ہو کہ ہمارا بیٹا کون سا پیشہ اختیار کرے
میں کہتی ہوں اسے مصوری سکھائیں
یہ ویت نام کے نقشے تیار کرے
جن میں سے وہ نفرت دھل جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ہم پیدا کرتے رہتے ہیں
اسے خاردار تاریں کاٹنا سکھائیں
جو ہمارے دیس کی بانہوں کو زخمی کرتی رہتی ہیں
اسے طب سکھائیں
جن سے ماضی کے منجمند زخموں کا علاج ہو سکے (۴)

دو تو لی بھی ویت نامی شاعرہ ہے جو اپنی نظم "اپنے بیٹے کے لیے" میں اپنے بیٹے کے لیے امن اور مسرت سے لبریز ویت نام چھوڑنے کی خواہش مند ہے وہ کہتی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی ہمیں ایک پر امن وطن دینا چاہتے تھے لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا اب میں اپنے بیٹے کے لیے امن اور محبت کی وراثت کی خواہش مند ہوں۔

ایک بہت ہی شاندار چیز
جو میرا باپ مجھے دینا چاہتا تھا
اگرچہ (غریب آدمی) ایسا نہ کر سکا
یہ میری زندگی کے صحرا کا سیراب ہے
اب میری روح میرے باپ کی روح سے مل کر
دعا کرے گی کہ تمہاری نسلوں کو مل جائے
امن، محض امن
ہماری زندگیوں سے کچھ بہتر زندگی
جس میں تم اور تمہارے دوست مجبور نہ ہوں
اپنے تھکے ہوئے غم زدہ زخمی قدموں کے ساتھ
ایک دوسرے کو قتل کرنے کی
راہوں پر چلنے کے لیے! (۵)

جب بیسویں صدی میں سامراجیوں کی دوسری بڑی جنگ ختم ہوئی تو بلند و بالا پہاڑوں، ہرے بھرے جنگلوں اور سرسبز وادیوں کے اس ملک نے اس صدی کی طویل ترین جنگ دو بدیسی سرمایہ دار سامراجیوں فرانس اور امریکہ سے لڑی۔ فرانس وہ ملک تھا جو اپنے آپ کو انقلاب کا نقیب کہتا تھا جو روسو، والٹیئر، وکٹر ہیوگو، اناتولے فرانس، زولا اور سارترے کا وطن تھا...... امریکہ جو عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے، جیسے تصورات دنیا کے سامنے پیش کرنے کا دعویدار تھا۔ ویت نام نے یہ طویل جنگ کئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محاذوں پر لڑی۔ کبھی ہنوئی اور سائگون کی سڑکوں پر، کبھی پہاڑوں اور وادیوں میں، کبھی جھیلوں اور دریاؤں میں، کبھی جنگلوں میں، کبھی مذاکرات کی ٹیبل پر، کبھی معاشی، سیاسی اور تعلیمی محاذ پر اور کبھی دنیا بھر کے عام انسانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر۔ ویت نام نے آزادی کی ایسی آگ روشن کی ہے جس سے ایشیا، افریقہ، اور جنوبی امریکہ کے آزادی کے متوالے ہمیشہ روشنی اور رہنمائی حاصل کریں گے (۶) علی سردار جعفری بھی ان ویت نام کے مجاہدوں کے ان زخموں کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں جو آفتاب بن کر پوری مظلوم اور محکوم دنیا کو حریت پسندی کی روشنی سے منور کر رہے ہیں۔

ویت نامی مجاہدوں کے
جوان سینے پہ زخم بن کر دہک رہے ہیں
وہ زخم جو آفتاب تازہ کا نور لے کر
سیاہ بارود کے اندھیرے میں
بجلیاں بن کے گر رہے ہیں۔
گلاب کے پھول ہنس رہے ہیں (۷)

برٹرینڈ رسل اور سارترے ویت نام میں سامراجی ممالک کی زیادتیوں کا مسلسل پردہ چاک کرتے رہے۔ برٹرینڈ رسل اور اس کے ساتھیوں کی کوشش سے ویت نام میں امریکہ کے جنگی جرائم کی تحقیقات کے لیے جو کمیشن قائم ہوا تھا اس نے واضح رپورٹ دی کہ امریکہ نے جنگ میں ہر ناجائز حربہ استعمال کیا۔ اس نے کیمیائی ہتھیار استعمال کیے جو فوجی مقاصد کے لیے بھی ممنوعہ تھے۔ امریکی فوج نے شہری آبادی کو ملیا میٹ کرنے اور مفلوج کرنے کے لیے سی۔ ایس گیس، ناپام بم، کیمیائی اور جراثیمی ہتھیار استعمال کیے۔ (۸)

احمد ندیم قاسمی، ایک انسان دوست شاعر، اپنی نظم ''ویت نام کا دعوت نامہ'' میں امریکہ کے شاعروں اور فنکاروں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ جمہوریت کی علمبردار، امریکی حکومت کی کارستانیاں دیکھنے ویت نام ضرور آئیں۔

یہاں بھی آؤ، زمین گردان حوصلہ مند!
اس مقام حیات بخش و حیات کش کی بھی سیر کر لو
جہاں کی چھتنار خلوتوں میں
ہرے بھرے جنگلوں کے بیٹے
تمہاری خاطر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہو کے کاسے لیے کھڑے ہیں
یہاں بھی آؤ
جہاں چراغوں میں عصمتوں کی لویں ہیں
دیوار و در پران لڑکیوں کے سر ہیں
جنہیں تمہارے شکاریوں نے
ڈری ہوئی ہرنیاں سمجھ کر ہدف بنایا
تپائیوں پر ہزاروں بچوں کی گول آنکھیں سجی ہیں
جو اپنی حیرتوں کے حصار میں گھومتی ہیں
اور ڈھونڈتی ہیں اپنے بدن کے ٹوٹے ہوئے کھلونے (۹)

برٹرینڈ رسل ویت نام کے عوام کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ویت نام کے عوام ساری دنیا کے لیے انصاف کی سپاہ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کی جدوجہد ایک رزمیہ کی عظمت کی حامل ہے۔ اور ہمیں مسلسل یاد دلاتی ہے کہ جب انسان کسی اعلیٰ مقصد کے لیے اپنی جانیں وقف کر دیتے ہیں تو وہ کس اولوالعزمی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ آیئے ہم ویت نامی عوام کو سلام عقیدت پیش کریں۔ (۱۰)

بلاشبہ ویت نامی عوام دنیا بھر کے حریت پسندوں کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ جنھوں نے اپنے وطن کے لیے بے شمار قربانیاں دیں لیکن وطن کی سرزمین پر آنچ نہ آنے دی۔ صہبا اختر نے اپنی نظم 'سلام ویت نام کو' میں ایک مترنم اور رزمیہ آہنگ کے ساتھ ویت نامیوں کو ان کی تاریخی فتح پر مبارک باد پیش کی ہے۔

اگر میں آفتاب کی تجلیاں نچوڑ لوں
اگر یہ میرے بس میں ہو کہ میں ستارے توڑ لوں
تو خطِ نور میں لکھوں میں آج اس کلام کو

سلام ویت نام کو

بہ رقص ناز سر بہ سر، بہ سیل خوں کمر کمر
دھواں دھواں شرر شرر، سناں سناں سپر سپر
ہنوئی جھیلتا رہا، اجل کے صبح و شام کو

سلام ویت نام کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ایسے زخم ہی کہیں نہ ایسی دلفگاریاں
نہ ایسی زندگی کہیں نہ ایسی جاں نثاریاں
خوشی سے لاکھوں پی گئے اجل کے جام جام کو
سلام ویت نام کو (۱۱)

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب اقوام متحدہ وجود میں آئی تو اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ اب خطہ زمین کو جنگوں اور کشت وخون سے محفوظ رکھا جائے گا لیکن حقیقت میں خون انسانی کی ارزانی تو پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اب یہ سب کچھ اقوام متحدہ کی چھتری کے نیچے ہو رہا ہے۔ جگن ناتھ آزاد نے ''ایک سوال'' میں یہی فکر انگیز سوال اٹھایا ہے کہ دو عالمگیر جنگوں کے بعد دردمندانِ جہاں نے یہ تہیہ کیا کہ اب عالمگیر جنگیں نہیں ہوں گی لیکن کشمیر، فلسطین، ویت نام میں عالمگیر جنگوں سے بھی زیادہ ظلم وستم کی کارستانیاں سامنے آئی ہیں۔ کیا ہم محفوظ ہو گئے ہیں۔

جنگ اب روئے زمیں پر پھر کبھی چھڑنے نہ پائے
یہ ہے اٹھارہ برس کی داستاں
اور اٹھارہ برس سے ہم نشیں
اس قیامت سے جسے کہتے ہیں عالمگیر جنگ
جسم گیتی آج تک محفوظ ہے
کررہے ہیں آج لیکن یہ سوال
کوریا، کشمیر، اسرائیل، کانگو، ویت نام
ہر طرح کی جنگ سے محفوظ دنیا ہو گئی (۱۲)

احمد فراز ان شعرا میں شمار ہوتے ہیں جو صرف اپنی سرزمین ہی نہیں بلکہ جہاں ظلم دیکھتے ہیں اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ فلسطین کے جلتے مناظر ہوں یا کشمیر میں کشت وخون کا بازار، بیروت ہو یا ویت نام شاعر ہر ظلم پر نوحہ کناں ہے مگر اس نوحے میں جذبہ بھی ہے اور ستم گر سے نبرد آزما ہونے کی ترغیب بھی۔ ہمارا شاعر ایک ایسی عالمی سوچ رکھتا ہے اور بے ضمیروں کے خلاف قلم کا جہاد کرتا ہے۔ یہی فکر ان کی نظم ویت نام میں پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ (۱۳)

احمد فرز انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ ظلم پر خاموشی بھی ظالم کی تائید کے مترادف ہے۔ لہٰذا بے حس وحرکت خاموش تماشائی مت بنو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے یقیں ہے
کہ جب بھی تاریخ کی عدالت میں
وقت لائے گا
آج کے بے ضمیر و دیدہ دلیر قاتل کو
جس کا دامان و آستیں
خونِ بے گناہاں سے تر بتر ہے
تو نسلِ آدم
وفورِ نفرت سے روئے قاتل پہ تھوک دے گی
مگر مجھے اس کا بھی یقیں ہے
کہ کل کی تاریخ
نسلِ آدم سے یہ بھی پوچھے گی
اے مہذب جہاں کی مخلوق
کل تیرے روبرو یہی بے ضمیر قاتل
ترے قبیلے کے بے گناہوں کو
جب تہہ تیغ کر رہا تھا
تو تو تماشائیوں کی صورت
خموش و بے حس
درندگی کے مظاہرے میں شریک
کیوں دیکھتی رہی ہے
بتا کہ اس ظلم کش قاتل کی تیغ براں میں
اور تری مصلحت کے تیروں میں
فرق کیا ہے؟
تو سوچتا ہوں
کہ ہم سبھی کیا جواب دیں گے۔ (۱۴)

ویت نام پر امریکی مظالم کی فہرست بہت طویل ہے۔ امریکہ نے اس جنگ میں انسانیت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انٹرنیشنل قوانین کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قتل و غارت اور ظلم و ستم کی بدترین مثال قائم کی۔ ویت نام پر تاریخ میں سب سے زیادہ بمباری کی گئی۔ جنگ میں تمام ممنوعہ طریقے مثلاً نیپام بم فاسفورس بم وغیرہ آزمائے گئے۔ عام شہریوں کا زبردستی انخلا کر کے انہیں کیمپوں میں بند رکھا گیا۔ جیلوں میں سیاسی قیدیوں پر وحشیانہ تشدد کیا گیا، زہریلی گیسیں استعمال کی گئیں، ویت نامی عورتوں کی اجتماعی عصمت دری کی گئی، الغرض نسل کشی کے تمام ذرائع استعمال کیے گئے۔ امجد اسلام امجد نے اپنی نظم ویت نام، میں امریکی ظلم و ستم کا وہ نقشہ کھینچا ہے کہ انسان اس کو بے چشم نم پڑھ نہیں سکتا۔

آگ اور آگ ہی آگ
خون اور خون ہی خون
ارض وتنام کے فردوس نظر خطے میں
جتنے پتھر تھے لہو رنگ ہوئے
جو فسوں خیز ہوا
اس مہکتی ہوئی وادی میں چلا کرتی تھی
اس قدر گرم ہوئی
خوشبوئیں بھاپ بنیں، سرو وسمن راکھ ہوئے
سینکڑوں پھول سے بچوں کے بدن راکھ ہوئے
خاک کی پیاس بجھے گی کب تک
یہ زمیں خون پیئے گی کب تک
اپنی ہی گود میں کھیلے ہوئے جسموں کا لہو
ان تڑپتی ہوئی ماؤں کا لہو
چھاتیاں جن کی لہو ریز ہوئیں
دودھ پیتے ہوئے بچوں کا لہو
سسکیاں جن کی سکوں خیز ہوئیں
اور پردیس میں لڑتے ہوئے لوگوں کا لہو
جن کو اس خون کے بہنے کا سبب یاد نہیں......
سینکڑوں میل پرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کی مرتی ہوئی مائیں ہر دم
ان کے جینے کی دعا مانگتی ہیں
بیویاں چیختے بچوں سے یہی کہتی ہیں
''وار آفس نے لکھا ہے، پاپا
صرف زخمی ہے بہت جلد چلا آئے گا
ٹام اور جم کے لیے ڈھیر سے تحفے لے کر
اور سوزی کے لیے، خاص وتنام کا سلور نیکلس''
اور پھر رات کی کالی چپ میں
اپنے گزرے ہوئے لمحوں کے لیے روتی ہیں۔(۱۵)

ہو چی منہ ویت نام کے معروف سیاسی راہنما تھے۔انھوں نے اپنے ملک کی آزادی کے لیے ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کی اور بالآخر اپنی منزل کو پا لیا۔ان کی زندگی مسلسل جدوجہد، حق گوئی اور بے لوث حب الوطنی کی زندہ اور روشن مثال ہے ہو چی منہ ویت نام کی تحریک آزادی کے دوران میں وقتاً فوقتاً چین کی تقریباً 18 مختلف جیلوں میں قید رہے۔ان کی چند نظمیں ایامِ اسیری کی یادگار ہیں جو Prison Diary کے نام سے ہنوئی سے شائع ہوئیں۔عبدالعزیز خالد نے ''پروازِ عقاب'' کے عنوان سے یہ نظمیں نہایت مہارت سے اردو زبان میں ترجمہ کی ہیں۔اگرچہ اردو میں اس سے پہلے بھی زندانی ادب کی ایک وقیع روایت موجود ہے۔اردو میں ابوالکلام آزاد کے خطوط ''غبارِ خاطر''، حسرت کی حبسیہ شاعری، چودھری افضل حق کی ''زندگی''، شورش کاشمیری کی ''پس دیوارِ زنداں''، فیض کی ''زنداں نامہ'' اور ''دست صبا'' وغیرہ، تاہم حریت پسند راہنما ہو چی منہ کی پروازِ عقاب بھی بے حد اہمیت کی حامل ہے۔

ہو چی منہ جب جنوبی چین کی جیل میں چیانگ کائی شیک کی پولیس کے ہاتھوں قید و بند کی سختیاں جھیل رہا تھا تو یہ نظمیں تخلیق ہو رہی تھیں۔ہو چی منہ نے ان نظموں میں قید و بند کی صعوبتوں، زنداں کے غیر انسانی سلوک اور مشکلات و مصائب کا ذکر تو کیا ہے لیکن ناامیدی اور مایوسی کا اظہار نہیں کیا۔وہ آزادی کے متوالوں کو ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار کرتا ہے۔وہ بتاتا ہے کہ آزادی کی منزل کو پانے کے لیے سہل پسندی اور تن آسانی کو ترک کرنا ہوگا۔اس طرح یہ نظمیں امید کی پیام بر بن کر اور صبح نو کی نوید بن کر قاری کے فکر و نظر کو تابناکی دیتے ہوئے اس کے ذوقِ عمل کو مہمیز لگاتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیارِ چیں کے تغیر پذیر موسم نے
مرے بدن کو شکستہ و خستہ حال کیا
جو ویت نام پہ ٹوٹے ہیں ان مصائب نے
سکوں مرے دل درد آشنا کا لوٹ لیا
(مگر یہ میری طبیعت کی طرفگی ہے کہ میں
بجائے رونے کے گانا پسند کرتا ہوں۔(۱۶)

ہو چی منہ کیمونسٹ دنیا کا باشندہ تھا لہٰذا اسیری میں بھی اسے سرخ پھریرے کی یاد شدت سے آتی ہے۔ وہ سامراجی دنیا سے برسرِ پیکار ہونے کے لیے بے تاب ہے اور یہ اسیری اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

موت بہتر ہے غلامی سے کہیں
ہر جگہ میرے وطن میں پھر سے
پرچم سرخ نظر آتا ہے
اس زمانے میں نظر بندی بھی
ظلم سا ظلم ہے...... کب
مجھے آزاد کریں گے؟ میں بھی
ہوسکوں تاکہ شریکِ پیکار [۱۷]

بہرحال ہو چی منہ اور ویت نام کے عوام ہر محاذ پر سینہ سپر رہے۔ انھوں نے سامراج کے خلاف اپنی جدوجہد کا پرچم ہمیشہ سربلند رکھا اور اپنے خونِ جگر سے آزادی کا ایک نیا منظر نامہ تخلیق کیا۔ سامراج ہار گیا اور ویت نام جیت گیا۔

☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

1- تو ہو۔''خون اور شگوفے''۔ مترجم؛ کشور ناہید۔ مشمولہ احتساب۔ لاہور: مارچ اپریل، مئی ۱۹۷۹ء، ص ۳۴۵

2- قصی بون۔ مترجم؛ عبداللہ ملک۔ مشمولہ، احتساب، ص ۵۰۱

3- مین۔ دک تھانگ بحوالہ زریں فاطمہ۔ چاول، امن اور آزادی۔ کراچی: اورینٹ پیکجز، ۲۰۰۳ء، ص ۲۰۱

4- ہاتھائی تھاڈ۔ مترجم؛ منو بھائی۔ مشمولہ، ادبیات۔ خواتین کا عالمی ادب نمبر۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، جلد ۱۴، ۱۵، شمارہ ۵۹، ۶۰، ۲۰۰۲ء، ص ۸۵۲

5- دو توق لی۔ مترجم، منو بھائی۔ مشمولہ، ادبیات۔ خواتین کا عالمی ادب نمبر، ص ۸۵۹

6- زریں فاطمہ۔ چاول، امن اور آزادی۔ کراچی: اورینٹ پیکجز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۸

7- علی سردار جعفری۔ کلیات علی سردار جعفری۔ حصہ اول۔ مرتب: علی احمد فاطمی۔ نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۴ء، ص ۷۰

8- برٹر نیڈ رسل۔ ویت نام میں جنگی جرائم۔ مترجم؛ مبارک حیدر۔ لاہور: نگارشات، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۸

9- احمد ندیم قاسمی۔ محیط۔ لاہور: اساطیر۔ ۲۰۰۰ء، ص ۱۹۷

10- برٹر نیڈ رسل۔ ویت نام میں جنگی جرائم۔ مترجم؛ مبارک حیدر، ص ۲۱۰

11- صہبا اختر۔ سرکشیدہ۔ کراچی: ایجوکیشنل پریس، ۱۹۷۷ء، ص ۹۹

12- جگن ناتھ آزاد۔ بوئے رمیدہ، ص ۴۵۶

13- محبوب ظفر۔ احمد فراز۔ شخصیت اور فن۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص ۸۳

14- احمد فراز۔ نایافت۔ مشمولہ، مشہر سخن آراستہ ہے۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۴۵۲

15- امجد اسلام امجد۔ برزخ۔ لاہور: جہانگیر بک ڈپو، ۱۹۹۸ء، ص ۴۶

16- ہو چی منھ۔ پروازِ عقاب۔ مترجم؛ عبدالعزیز خالد۔ لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۳ء ص ۱۰۵

17- ایضاً، ص ۸۴

© rasailojaraid.com